



خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے  
خدا بے شک سے خود پوچھے بتا تیری ضامی ہے

807

محمدؐ عمر حیات الحسنی

انسان

اور

مسئلہ تقدیر

ناشر

حضرت ملا امام بو سن ٹرسٹ اڈا بند بو سن ملتان

ح

جامعہ اسلامیہ اشاعت القرآن مرکزی جامع مسجد حضرت  
مفتی عبدالحکیم ہیں باقاعدہ درس نظامی کے شروع ہونے پر  
اور حضرت مفتی عبدالحکیم اسلامک ریسرچ  
انسٹی ٹیوٹ

”فتاویٰ حکیمہ“ کے مرتب ہونے  
کے تحت  
جامعہ کے ناظم اعلیٰ صاحبزادہ قاضی عبدالرشید صاحب کو  
ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں

منجانب

مفتی  
مولانا  
نذیر احمد صاحب و اراکین انجمن تبلیغ الاسلام  
سیرپور (آزاد کشمیر)

خودی کو کہیں داتا کہ ہر وقت دیکھ رہے ہیں  
خدا اپنے سے خود پوچھے بتاتے ہیں رضائی

محمد عمر حیات الحسنی

الانسان

اور

سائلہ قدر

حضرت ملا امام بوسن ٹرسٹ اڈا بند بوسن ملتان

# فہرست

صفحہ

۱-	انتساب
۱-	تقاریر
۳-	حضرت خاکی شاہ صاحب
۷-	حضرت کانگلی شاہ صاحب
۸-	علامہ سید عبد الرحمن بخاری صاحب
۸-	مفتی غلام اصغر سیالوی صاحب
۹-	شیخ الحدیث عبدالمالک صاحب
۱۷-	جسٹس علی صاحب
۱۹-	مفتی محمد امین اور مسند تقدیر
۱۹-	وقتِ جہاد اور مسند تقدیر
۲۰-	وقتِ تقدیر اور مسند تقدیر
۲۰-	قوتِ حق اور تقویٰ اور مسند تقدیر
۲۰-	میں تقدیر و جہاد حقیقی مفہوم
۲۱-	کی تاسیس کے لیے یاد کر۔ تم کی نقش کش کا مرحلہ
۲۱	ختیاری و خطری فعل میں فرق
۲۱	غور و غوض کا مرحلہ
۲۲	انتخابِ نیت کا مرحلہ
۱۲-	رہنمائی کا مرحلہ
۲۳-	تعمیل کا مرحلہ
۲۴-	تعمیل کا مرحلہ

## حمد حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب  
نام مصنف  
تاریخ طباعت  
پرنٹر  
انسان اور مسند تقدیر  
نور محمد حیات الحسینی  
۱۹۹۷ء  
خاور پرنٹرز میاں محمد رود میر پور آزاد کشمیر

### (کلمات تشکر)

بندہ نامیجز اور میرے حمد ساتھی محترم غلام رسول صاحب (عوامی گفت سنت و اہیت سنا میر پور آزاد کشمیر) کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی دین دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے۔ کتاب ہذا کی طباعت کرادی خالق ارض و سمان کو اور ان کے خالوادہ کو ہر و کھ۔ مصیبت پریشانی دنیا و آخرت میں نجات عطا فرمائے۔ آمین

گنبد خضریٰ کی بریالی کا صدقہ ان کے اخلاص و تقویٰ اور رزق حلال میں ہر کتیں نصیب ہوں اور ساتھ محترم قاری محمد یونس صاحب مدرس جامعہ اسلامیہ اشاعت القرآن مرکزی جامع مسجد حضرت مفتی عبدالحکیم میر پور آزاد کشمیر کا بھی ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور رزق حلال میں مزید برکتیں عطا فرمائے آمین۔

دعا کو  
گدا نے درصیب  
الحسینی غفرلہ

نیت کی اہمیت

جینی نیت ویسی مراد

خلاصہ کلام نیت

علامہ تفتازانی کے نزدیک مسئلہ جبر و قدر

خلق عمل اور کسب عمل میں فرق

جبر و سزا کی حقیقت

غلط فہمی کا ازالہ

خدائی فعل خلق کی حقیقت

امر الہی کے بغیر مخلوق سے کچھ نہ ہونے کی حقیقت

مشکیّت اور قدرت کا معنی و مضموم

السان کے مختار ہونے کی حقیقت

تم عمل کرو

جو تم چاہو

السان کے مجبور نہ ہونے کی حکمت

قضاء و قدر کا انسانی زندگی میں کردار

احادیث کی روشنی میں قضاء و قدر کا اتفاقی و کائناتی مضموم

شخصی و انفرادی زندگی میں قضاء و قدر کا مضموم

قضاء کا مضموم

قدر مقدم قضاء موخر

قضاء معلق اور قضاء مہرم

شبہ کا ازالہ

خلق افعال پر شبہ کا ازالہ

امور تشریعیہ کی تشریح

کیا تقدیر پر نکیہ کرنا درست ہے ؟

کیا شیطان کے سرمدی کا حق پناہ درست ہے ؟

تقدیر تاریخی یا نظری

۲۲ -

۲۳ -

۲۵

۲۷

۲۹

۳۱

۳۳

۳۴

۳۵

۳۶

۳۷

۳۸

۳۹

۴۰

۴۱

۴۲

۴۳

۴۴

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

۴۹

۵۰

۵۱

۵۲

۵۳

مد رسالت مآب ﷺ اور مسئلہ تقدیر

مد خلافت فاروقیؓ اور مسئلہ تقدیر

مد خلافت عثمانیؓ اور مسئلہ تقدیر

مد خلافت مرتضویؓ اور مسئلہ تقدیر

فلسفیانہ افکار و آراء سے مسئلہ تقدیر پر مناقشات و مجادلات

فرقہ جبریت اور مسئلہ تقدیر

فرقہ جبریت کا بانی و مؤسس

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا خط بنام فرقہ جبریت

حضرت امام حسن بصریؒ کا خط بنام فرقہ جبریت

جبریت کا عقیدہ یہودی دین کی پیداوار ہے

جہم بن صفوان بانی فرقہ جبریت کے حالات

عقائد

جبریت و سنی کا فرضی مناظرہ

جبریت کا اعتراض

اہل سنت کا جواب

اعتراض

جواب

اعتراض

محال ہونے کی وجہ

جواب

اعتراض

جواب

فرقہ قدریت اور مسئلہ تقدیر

قدریت کی وجہ تسمیہ

بانی و مؤسس

۵۴

۵۵

۵۶

۵۷

۵۸

۵۹

۶۰

۶۱

۶۲

۶۳

۶۴

۶۵

۶۶

۶۷

۶۸

۶۹

۷۰

۷۱

۷۲

۷۳

۷۴

۷۵

۷۶

۷۷

۷۸

۷۹

۸۰

۸۱

۸۲

۸۳

۸۴

۸۵

تقدیرِ حتمیہ کے معنی ہیں ؟

۱۔ میری غریٰ منجانب اللہ پہلے سے طے ہوتی ہے ؟

۲۔ صدقات و نسیات تقدیر کے معنی ہیں ؟

۳۔ پسندوں کو آہستہ سے رد کرنا تقدیر کے معنی ہیں ؟

۴۔ پسند آنے والی نہ کر سکتا تقدیر بتاتا ہے ؟

۵۔ انسان پہ اعمال سے بڑی اللہ عزوجل قرار دیا جاسکتا ہے ؟

۶۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ رضی اللہ عنہ کی رضا ہے ؟

۷۔ یا قدری صاحب کا کامیاب نہ ہو سکتا تقدیر ہے ؟

خودکشی اور تقدیر

نوشتہ تقدیر اور شہادت امام حسینؑ

موسیٰ پیشگوئیوں کی حقیقت

مختلف احادیث میں تطبیق کیسے ؟

جن میں تقدیر کے نہ تبدیل ہونے کا بیان ہے

جن میں تقدیر کے تبدیل ہونے کا بیان ہے

تقدیر مہر اور تقدیر معلق کا خلاصہ

علم الہی تدریجاً نہیں ہے ۔

کیا اچھا عمل نہ کر سکتا تو نیک الہی سے ہے ؟

بیا برائی کی تخلیق انسان کو عمل پر مجبور کر سکتی ہے ؟

اللہ تعالیٰ کفر پر مجبور نہیں کرتا

مراہی خاتم منجانب اللہ ہے

سیکوری گارڈ محافظ رکھنا توکل کے خلاف نہیں ہے

نبوت دعا کرنے سے نہیں مل سکتی

اضطراری حالات میں انسان کی ذمہ داری و جوابدہی ختم ہو جاتی ہے

غیر مسلم اور غیر مسلمین کے ساتھ سلوک کا صحیح نمونہ

عروہ و زوال کی حقیقت

مسئلہ تقدیر و اختیار اور حلال و حرام

تقدیر و رستی کا فرضی مسئلہ

مستزلہ کے اصول نمبر

وحید

عتیدہ تہذیب کا نتائج

مدن

عتیدہ عدل کے نتائج

وعدہ و وعید

کفر و اسلام میں درمیانہ درجہ

امر بالمعروف منہی عن المنکر

عقل پرستی

مستزلہ کی افراط و تفریط اور بعض مسائل میں علماء اہل حق کا تعاقب

مسئلہ اشعری میں اعتدال

مسئلہ تقدیر اور امام اشعریؒ

مسئلہ اشعری میں عقل و نقل کی ہم آہنگی

عقیدت کی راہ اختیار کرنے کی وجہ

خدمات جلیلہ

امام ابو منصور ماتریدیؒ

امام اعظم ابو حنیفہ اور ماتریدی افکار کی یکسانیت

امام ابو منصور ماتریدی کا طرز فکر و نظر

مسئلہ تقدیر اور امام ابو منصور ماتریدیؒ

تقسیم دین (سوال و جواب) (اتحادی فاروق)

دعوت بے اثر کیوں ہو جاتی ہے ؟

دعوت اتحاد اور طریقہ کار (۹۶)

تقدیر دعا کے معنی نہیں ہے

کیا عمر کم یا بڑھ سکتی ہے ؟

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت پیر سید غلام رسول شاہ صاحب خاکی  
وامت برکاتہم العالیہ (آستانہ عالیہ قادریہ محدومیہ مرید چکوال)

# انتساب

اس حقیر کاوش کو

(تحریک منہاج القرآن کے روحانی پیشوا، وسرپرست)

قدوسہ الاولیاء، مہم شہناو سیدنا حضرت طاہر علاؤ الدین القادری اگلیانی البغدادی قدس سرہ العزیز کے نام  
گرامی منسوب کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں کہ جن کا روحانی فیض تحریک منہاج القرآن کی صورت  
میں پوری دنیا میں جاری و ساری ہے۔ حضرت کی نظر کرم کا یہ فیضان ہے کہ میرے جیسے سیاح کار اور بے  
عمم و بے عمل انسان سے بھی یہ توتامہ کوٹنا کام لیا جا رہا ہے۔ خالق ارض و سما، بزرگان دین کے اخلاص و  
تقویٰ کی ہم سب کو وافر خیرات عطا فرمائے آمین۔ اللہ تعالیٰ اجل مجدہ حضرت قید سیدی و سیدی کے  
خانوادہ کو اپنے بندوں میں رکھے۔

اور اللہ تعالیٰ شہزادگان والد علی مرتبت

\* حضرت صاحبزادہ سیدی محمود محی الدین اگلیانی القادری

\* حضرت صاحبزادہ سیدی عبدالقادر جمال الدین اگلیانی القادری

\* حضرت صاحبزادہ سید ضیاء الدین اگلیانی القادری

وامت برکاتہم العالیہ

کو فیضانِ غوثیہ سے مال فرمائے اور ہر دک و درج سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

”بہاد خدا رکھے میحقاتہ محمد کا“

اللہ تعالیٰ ان کو معاندین، حامدین، کے شر و فتنہ سے محفوظ رکھے (آمین)

گداٹے در حبیب

محمد عمر حیات الحسنی

خادم حضرت مفتی عبدالکیم اسلامک ریسرچ  
انسٹی ٹیوٹ مرکزی جامع مسجد میر پور آزاد کشمیر

فون: ۰۵۳۲-۲۵۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

مسئلہ تقدیر ایمانیات کے سلسلے کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔ جو اجزائے ایمان کا  
آخری مہر نہایت جہتم بالشان جزو ہے۔ لیکن عجیب اتفاق کی بات ہے۔ کہ اس مسئلہ کی نسبت  
لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور ابہام و دسوس پائے جاتے ہیں۔  
حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موضوع پر کبیر کبیر کر گفتگو کرنے سے منع  
فرمایا ہے۔ کیونکہ اس پر حد سے زیادہ بحث و تحقیق کرنے کا نتیجہ گمراہی ہے۔ لہذا ایسے پیچیدہ  
اور نازک مسئلہ کو سلف صالحین نے راز الہی سے تعبیر کیا ہے اور راز کو بے جا منکشف کرنا  
درست نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی حقیقت فقط الامر بین الامرین / بین القدر و الجبر ہے۔ اس  
کے کسی ایک پہلو پر غلبہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اہل سنت کا یہی عقیدہ قرآن و سنت کی  
روح ہے۔

عزیز محمد عمر حیات الحسنی سلمہ، میرے پیارے عزیز ہیں۔ ان کو اپنے شیخ طریقت  
قدوسہ الصالحین حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری اگلیانی البغدادی قدس سرہ العزیز کی  
ذات سے بے پناہ محبت و عقیدت کی نعمت حاصل ہے۔ اور ایسے مردان باصفا خلیل صفت  
صوفیاء کی محبت قل بانو کوئی بردا و سلاما علیہم کے، مصداق تزکیہ نفس اور تصفیہ  
باطن کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور یہی نعمت شرح صدر کا سبب ہے۔ اور ایسے کامل صوفی کی  
نظر کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب جیسی ذہین و  
فطین شخصیت سے شرف تلمذ سے عزیزم میں حسین امتزاج پیدا ہوا ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے چاہے ایسی لازوال نعمتوں سے نواز دے۔ کتاب ہذا  
”مسئلہ تقدیر اور انسان“ کا مسودہ دیکھا اور عزیزم کی زبانی سنا۔ جو اپنے موضوع پر بے مثال  
تحقیقی مقالہ ہے۔ انشاء اللہ اس مسئلہ کی نسبت لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گا۔



تمام تحقیق میں برتویہ الاحضرت انسان ہے یہ انسان کو ہی اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے انسان کامل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جب انسان زندگی کے تمام معاملات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی نفی کر دیتا ہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے وقت ذات کے حق مراعات کا پاس کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں حسن کائنات میں کھو جاتا ہے تو اسے ہر سمت حسنِ حقیقی کے جلوے نظر آنے لگتے

سمجھانے میں مصروف ہیں دراصل تقدیر کا یہ سوال خود مسئلہ حیات ہی کی تفریح ہے جب تک یہ آشکار نہ ہو کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے تقدیر کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور انسان تا المیہ یہ ہے کہ وہ آج تک زندگی کی حقیقت دریافت نہیں کر سکا بقول انہوں

دھونڈنے والا نہ تاروں کی گزر گاہوں کا  
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے کا  
اپنی حکمت کے خم و پچ میں الجھا ایسا  
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کرنے کا  
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرینار کیا  
زندگی کی شب تاریک سحر کرنے کا

زندگی کی مجرہ حقیقت سے انقلاب کشائی کے بارے میں فلسفہ کی تمام تر خیالات آرائی شاعری کی ہمدت آفرینی اور سائنس کی مادیت افروزی سے قطع نظر عملاً انسانی زندگی دو متفرق اور جداگانہ نظریہ ہائے زیست کی اساس پر رواں دواں ہے ایک متشائم pessimism اور دوسرا متفائل optimism افلاطون کے "فلسفہ نفی حقیقت" سے لیکر اپنشدہ کی دیانی تعلیم بدھ مت کے بے تصور نزوان یورپ کے نظریہ وجودیت Existentialism اور عیسائی نظام رہبیت تک سبھی متشائم نظریہ حیات Pessimist theory of life پر استوار ہیں یہ نظریہ کائنات کو صرف ایک سراب زندگی کو فریب اور دھوکا دینا، عذاب و عذراں کو برہمن اور یاس و قنوط کی گرفت میں دے دیتا ہے اس سے انسان کی سعی و کوشش اور حرکات و عمل کے سب عناصر مفلوج ہو جاتے ہیں اور وہ دیر حیات کے اثر سے چھٹکارا پانے کے لئے رہبیت ترک دنیا اور نقشب کی دیران گھاٹیوں میں اتر جاتا ہے

اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے متفائل نظریہ حیات Optimist theory of life کا علمبردار ہے یہ انسان کو احساس نفس اور شعور ذات سے آراستہ کرتا ہے اسکی زندگی خدا کی عظیم نعمت اور مقدس امانت ہے اس کے ممکنات potentials لامتناہی مقصد تو اسے عالم کی تسخیر اور دائرہ عمل آفاق کی سب و سطحوں پر محیط ہے یہ نظریہ انسان کو قنوطیت کے گرداب سے نکال کر رجائیت کے ساحل مراو پہ پہنچا دیتا ہے یوں انسان میں

ان حیات کی قدر و قیمت کا احساس ابھرتا ہے اور اسکی جدوجہد کے دائرے میں حیات کی لامتناہی وسعتیں اور زندگی کے تمام گوشے سمٹ آتے ہیں اور یہی وہ معنوی تناظر ہے جس میں انسانی حریت و اختیار کی حدود متعین ہوتی اور اسلامی نظریہ جبر و قدر کی فکری بنیادیں فراہم ہوتی ہیں

اسلامی فکر کی تاریخ میں مسئلہ جبر و قدر کو مختلف حوالوں اور متنوع جھٹلوں سے جار کرنے کی کوشش کی گئی علم ازلی اور علم واقعی کا امتیاز ہو کہ خلق عمل اور کسب فعل میں تفریق جبر و قدر میں کسی ایک جنت کا غلبہ ہو کہ توازن و آمیزش کا نظریہ سبھی مسئلہ تقدیر کے حل کی مختلف تعبیریں ہیں ان تعبیروں پر بحث و نظر کے سلسلے جس قدر پھیلنے سے مسئلہ قنطار و قدر اتنا ہی الجھتا چلا گیا ہر آغیہ بات مدارج علم کی ہو یا خلق و کسب کے امتیاز کی جبر و قدر میں آمیزش کی ہو یا کسی ایک جنت کے غلبہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ حاکم خالق فعل انسان کا موجب نہیں خلق عمل کسب عبد کا شر ہے خبر کا آغیہ جبر نہیں اور قدر و جبر میں ایک گونہ تلازم ہے

بناء بریں اسلام کی رو سے تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی وجود میں نشو و نما و قنطار و جبر و قدر اور فکر و عمل کے لامتناہی ممکنات و زیست ہیں وہ عقل وادراک، جذبہ و احساس اور اختیار کے بے پایاں قوتوں سے آراستہ ہے اور ایک احساس اور ارادہ کی یہ قوتیں اسے ہر ممکن و عریض کائنات اور متنوع مخلوقات میں انسانی تفرد و امتیاز، شرف و کرامت کی بناء مینا دیتی ہیں اور انہیں یہ حیات انسانی کی بنیاد و آزمائش اور مسوویت و جواب دہی کا سارا نظام استوار ہے یہ دنیا دار اسباب بن در زندگی مراہر ابتلاء و محنت ربانی نے دنیا کے ہر واقعہ زندگی کے ہر معاملے اور انسان کے ہر عمل کو سبب و مسبب کے حسی رابطے میں جکڑ دیا ہے انسان زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں اپنے قوائے نفس اور ممکنات عمل سے اسباب کا تانا بانا تیار کرتا ہے اور مشیت الہی کا قانون مکافات ان اسباب کے نتائج و ثمرات مرتب کرتا چلا جاتا ہے اسباب کا تعلق انسان کے کسب و اختیار سے ہے اور مسببات و نتائج کا ظہور مشیت الہی کے تابع یوں اسباب و اعمال کی سطح پر انسانی حریت و اختیار کا ظہور ہوتا ہے اور یہ سبب و مسببیت جبر مشیت کی ضرورہ اور اسی جبر و اختیار کی آمیزش سے اسلام کا تہ نہ نہ و قدر و جبر ہوتا ہے



یہاں اس امر کی تصریح لازم ہے کہ اعمال کے نتائج و ثمرات کا ظہور اگرچہ مشیت الہی پر موقوف ہے لیکن اعمال اور نتائج کے باہم رابطہ سببیت کی کار فرمائی اعمال کی طرح نتائج کی ذمہ داری بھی انسان کو ہی ٹھہراتی ہے اعمال و افعال کی طرح واقعات کے اسباب و عوامل میں عام طور پر انسان ارادہ و اختیار ہی سے جنم لیتے ہیں اور مسببات نتائج کا ظہور انہی اسباب و عوامل پر موقوف ہوتا ہے اور انہی کی طرف منسوب اس لئے انسان ہی ان مسببات و نتائج کا ذمہ دار قرار پاتا ہے یہی ذمہ داری اور اخروی جواب دہی کی بنیاد ہے یہی انسانی حریت و اختیار کا دائرہ ہے اور یہی مکافات عمل کا قانون مسئلہ تقدیر کے اس پہلو سے صرف نظر کر لیا جائے تو سارا نظام حقیق اور پورا کارخانہ قدرت ایک لائٹل معما بن کر رہ جاتا ہے

تقدیر کی گھٹی سلجھانے میں انسانی فکر و شعور اور ادراک و بیان کی حدود معین اور ابعاد Dimensions واضح ہیں اسلام نے انہیں معین حدود و ابعاد میں رستے ہوئے مسئلہ تقدیر پر غور و فکر کی اجازت دی ہے اور اسی غور و فکر کا ایک حسین پیرایہ زیر نظر تصنیف ہے فاضل نوجوان محترم محمد عمر حیات الحسینی صاحب حفظہ اللہ کی شخصیت میں جدید و قدیم علوم کا حسین امتزاج نمایاں ہے کم عمری ہی میں ان کی متعدد تالیفات مصنفہ شہور پر آچکی ہیں ہمیشہ نظر کتابت انسان اور مسئلہ تقدیر ان کی وسعت مطالعہ عمیق غور و فکر اور علمی وثوق و استناد پر شاہد ہے یہ تقدیر کے پیچیدہ مسئلہ کو اسکے تمام تر تاریخی پس منظر اسلام کے تمدنی ارتقاء اور عصر جدید کے فکری شعور کے وسیع تر تناظر میں رکھ کر حل کرنے کی ایک نادر کوشش ہے مجھے اس کتاب کے آئینے میں فاضل کے درخشاں علمی مستقبل کی جھلک نظر آ رہی ہے رب قدوس اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعلین پاک کے صدقے ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے لئے ذخیرہ حسنات بنائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

والسلام سید عبد الرحمن بخاری

گدا نے در حبیب ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری لاہور

22 اپریل 1994 جمعہ

ر میں المدرسین اُستاد العلاء حضرت العلامة مفتی محمد غلام اصغر

صاحب سیالوی دامت برکاتہم العالیہ

مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ محمدیہ مہرویہ قمر الاسلام بستی یوسن، ہٹھار۔ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله الذي ارتضى جيبه في الارض والسما والصلوة والسلام علي سيدنا  
وسيد الرسل وسيد الانبياء وعلي آله الاتقياء واصحابه الصفياء اما بعد  
رسالة هذا انساني زندي في تضاوق قدر كا كر دار اور مسك اعتدال

میں نے پوری طرح دیکھا ہے جو اپنے موضوع پر بے مثال وبے نظیر ہے۔ ممکنہ شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن و سنت کے دلائل وراہین سے اہل سنت کے موقف یعنی راہ اعتدال کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

عزیز محمد عمر حیات الحسینی صاحب زید مجدد نے محنت ثاقہ اور عرق ریزی کے ساتھ اسے مرتب فرمایا ہے۔

کیونکہ موضوع لائٹل ہے۔ جس کو جتنا پھیلا یا جائے اسی قدر پھیلتا جاتا ہے اور ساتھ شکوک و شبہات بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں بعض کم علم و فہم لوگ مسئلہ تقدیر پر بڑی جرات و دلیری کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے ہیں جس سے ایمان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے

رسول اکرم، نبی معظم، والی دو جہاں، خسرو خواں سیاح لامکان

عزیز مصر صمدیت

ملک مملکت احمدیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

کہ اس موضوع پر بحث مباحثہ نہ کیا جائے کیونکہ بحث مباحثہ کرنے والے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں

جہاں اور کم علم لوگوں کے ممکنہ اشکالات و خدشات کو رفع کر دیا ہے۔

عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے وافر مقدار میں مواد جمع کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ بصدقہ گنبد خضریٰ کے مکین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
توحیات سے عزیمت محمد عمر حیات الحسنی صاحب سلمہ کو عمر خضریٰ ثلاثہ  
فرمائے۔ آمین ثم آمین اور اس تحریر کو ہم سب کے لئے نجات اخروی کا سبب  
بنائے آمین ثم آمین۔ اور عزیز محترم کے جملہ مقاصد خیر کو پورا فرمائے آمین  
عبدہ المذنب محمد غلام اصغر سیالوی۔

(منفی و شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ محمدیہ مہر دیہ قمر الاسلام یوسن، ٹھٹھا، پاکستان)  
۲۱/۱۲/۹۳

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ مولانا عبدالمالک صاحب مدظلہ العالی  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد عمر حیات الحسنی ان نوجوانوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ  
نے علمی تحقیق کے جوش و جذبہ اور صلاحیت سے نوازا ہے کئی موضوعات پر دادِ تحقیق لے  
چکے ہیں ان کا تازہ مقالہ قدیم معرکہ الاراء اور مشکل ترین مسئلہ جبر و قدر کے متعلق  
ہے موصوف نے اس کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک سب کچھ  
پہلے سے متعین اور فیصل شدہ ہے سے کیا آپ کا یہی ارشاد تو اس مسئلہ کا پچوڑ ہے مسئلہ  
گمراہی تک پہنچنے کیلئے یہی ارشاد کلیدی حیثیت رکھتا ہے اسی آغاز سے کتاب پر کشش ہو گئی  
ہے اور اسکی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا ہے مقالہ کے عنوانات پر نظر ڈالنے سے کتاب کی  
جامعیت سامنے آجاتی ہے اللہ تعالیٰ مصنف کی علمی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے۔ اور اسکی  
مساعی جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے آمین

عاجز

عبدالمالک

(ناظم اعلیٰ و رابطہ المدارس الاسلامیہ پاکستان و شیخ الحدیث)

مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور

محترم جسٹس ملک غلام علی صاحب

(سابق جج و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

مسئلہ تقدیر فی الواقع ایک نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے اس پر احتیاط کا دامن  
قائد انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہم راز الہی سے تعبیر کر سکتے ہیں  
بدھ نے عزیز محترم محمد عمر حیات الحسنی سے مسئلہ تقدیر کے مسودہ کے بعض مقامات کو  
سنا اور مجھے یہ بات کہتے ہوئے اور لکھتے ہوئے کوئی تامل نہیں ہے کہ یہ کوشش انشا اللہ سود  
مند اور موجب افادیت ہوگی میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید  
امت عطا فرمائے راہ حق پر استقامت بخشنے اور ان مسائل پر ریسرچ اور تحقیق کی توفیق عطا  
فرمائے جن کی فی الواقع ضرورت ہے۔

راقم عاجز

والسلام  
غلام علی

ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور

### پیش نظر

مسئلہ تقدیر ایمانیات کے سلسلے کا ایک اہم ترین موضوع ہے لیکن  
غیب اتفاق ہے اس مسئلہ کی نسبت لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے  
ٹھٹھوک و شبہات اور ابہام و سادس پائے جاتے ہیں۔  
اس پر کڑید کڑید کر گفتگو کرنے سے بھی مع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے  
پیچیدہ اور نازک مسائل میں الجھنے سے سوائے بے عملی کے کچھ بھی حاصل  
نہیں ہوتا۔

یہ حقیقت بھی اچھی جگہ مسلمہ ہے کہ انسانی عقل و دانش اس نازک  
مسئلے کے حقیقی مضمرات کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ اس موضوع پر حد سے  
زیادہ بحث و تمحیص کرنے کا نتیجہ گمراہی ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم نے کڑید کڑید کر گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔

اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے ”مجبور یا مختار“ ہونے  
کے مسئلہ پر تاریخ میں فلاسفہ، مفکرین کے نزدیک بہت اختلاف رہا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق افراط و تفریط کی رائے رکھی جاتی رہی ہے، جس کی وجہ سے اس مسئلے کے اثرات نے خواص سے لے کر عوام تک کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق عاجز سے مختلف مقامات کے اچکوال پڑھی،

اکمل، پشاور، نوشہرہ، کسوال، بہاولپور، ملتان، دوستوں نے استفسار کیا جس کا جواب دیا گیا جن سے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوا۔

کسوال میں دوران خطابت جمعۃ المبارک کے بعد سوال و جواب کی نشست میں بھی اس کے متعلق سوالات کئے گئے۔ انہی سوالات کے پیش نظر شبِ برات پر مسئلہ جبر و قدر کے موضوع پر تقریر کا اعلان کیا گیا تاکہ لوگوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاسکے۔ اس موضوع کے متعلق اشار میں بھی دسے دیا گیا تھا کیونکہ جمعۃ المبارک کی ایک نشست میں اس موضوع پر گفتگو کی گئی اور بقیہ گفتگو شبِ برات پر کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ لوگوں نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا لیکن عین موقع پر اس گفتگو کو ملتوی کرنے کا احباب نے فیصلہ دیا کیونکہ موضوع علمی ہے جو تشہ رسنے کی وجہ سے مزید شکوک و شبہات پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا۔

بہر حال عاجز نے اس موضوع کے نوٹس وغیرہ تیار کر کے جمعۃ المبارک کی دو تین نشستوں پر بیان کر دیا تھا۔ اس کے بعد بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی کے دوستوں کے اصرار پر اس مسئلے کے متعلق سوال و جواب کی نشست رکھی گئی تھی جس کا دورانیہ رات سات بجے تا ۱۰:۲۰ بجے یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے رہا تھا۔

لہذا ان اسباب کی بناء پر خوب مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اس موضوع پر مفسر اسلام حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے خطبات سے استفادہ کیا گیا جو اس موضوع پر بہترین ہیں۔ آپ کے علمی مقام اور انداز خطابت کو تو اپنے اور دوستوں تسلیم کرتے ہیں۔ علم و تحقیق اور دینی و سیاسی خدمات کے لئے سے بھی آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اور اس موضوع پر شیخ

الحدیث حضرت قبلہ سید محمد زبیر شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ اچکوال پشاور دورہ تفسیر) بھی بڑی علمی بحث فرمائی تھی جو قرآن مجید:   
 **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوا**

کے ماتحت کی گئی تھی۔ حضرت قبلہ شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ کا شمار قابل ترین مدرسین میں ہوتا ہے جن کا انداز تدریس اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے منطقی مثالوں کے ذریعے خوب مسئلہ سمجھایا۔ (دورہ تفسیر کے نوٹس) وغیرہ تیار کئے تھے۔ جن سے عاجز نے حسب ضرورت استفادہ کیا۔

مسئلہ تقدیر پر عوام الناس میں انتہائی شکوک و شبہات پائے جا رہے ہیں جو روزمرہ مسائل میں سننے میں آتے رہتے ہیں جن کا حقیقت کے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا کیونکہ عوام الناس کی غالب اکثریت تصور تقدیر نہیں رکھتی۔

لہذا بہتر سمجھا کہ عوام کے ذہنی شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے اسے کتابی شکل دے دی جائے۔ اس کا دوسرا حصہ تو خدائی منسوبہ بندی ہے جس کا مسئلہ تقدیر کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ اس سے بھی مزید شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے گا مسئلہ سمجھ کر عمل کرنے والوں کے لئے تو اس میں وافر مواد ہے۔ لیکن اس مسئلے کو الجھنے اور الجھانے والوں کے لئے تو عمل سے بچنے کے لئے خواہ مخواہ حیلہ جوئی اور بہانہ تراشی ہوگی۔

سزا سے بچنے کے لئے تو بہت زیادہ حیلے تراشے جاسکتے ہیں لیکن یہ اپنے آپ کو دھوکہ دہی کے سواء کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے قارئین سے میری درخواست ہے کہ اس کتابچہ کو بار بار پڑھیں کیونکہ ہر بار پڑھنے سے مسئلہ کو سمجھنے اور ذہنی شکوک و شبہات کو دور کرنے میں آسانی ہوگی۔

اللہ رب العزت بصدر قدر مستجاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاجز کی اس کاوش کو ذریعہ نجات فرمائے آمین۔ اور قارئین کو استفادہ کر کے عمل کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

فی الحقیقت یہی بات غلط ہے کہ علم الہی کی وجہ سے کہ عامل و فاعل کا ارادہ و اختیار سلب و مفقود ہو جاتا ہے۔ علم الہی ازلی انسان کے ارادہ و اختیار کو سلب نہیں کرتا بلکہ اس کو اور ثابت اور مستحکم کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کو تمام کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا اسی علم کو تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک انجینئر ایک ڈیم بنانے سے پہلے سے اس کی تمام جزئیات پر غور کرتا ہے اس کے میٹرل Material کی صلاحیت و استعداد اور طاقت و قوت کا جائزہ لیتا ہے۔ ڈیم بنانے سے پہلے اس کا ایک نقشہ تیار کرتا ہے۔ پھر اس کی تیاری سے پہلے اس میٹرل کی طاقت و قوت کے بل بوتے پر اس کی کارکردگی کی عمر کا اندازہ قائم کر کے پیش گوئی کر دیتا ہے کہ مثلاً ڈیم سو سال تک کارآمد رہ سکتا ہے یا جیسے مختلف مشینیں بنانے والے گاڑی دیتے ہیں کہ یہ مشین اسٹے عرصے تک بغیر کسی نقص کے کام کرتی رہے گی لیکن انجینئر اور دوسرے فنکار حضرات چونکہ ناقص علم رکھتے ہیں اس لئے ان کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ رب العزت کا علم کامل و صحیح ہے۔ اس لئے اس کے اندازہ میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہے۔

اس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور کائنات کی تمام حقیقتوں کی خلقت سے پہلے اندازہ اور علم تھا کہ بعد میں پیدا ہونے والی یہ تمام حقیقتیں کس نہج پر کام کریں گی۔ کتنا عرصہ کام کریں گی۔ اور ان کے کئے ہوئے کاموں میں سے کتنے کام قابل ستائش ہوں گے اور کتنے کام لائق مذمت۔

اسی لئے فرمایا:

”اناکل شیء خلقناہ بقدر۔“ (القمر: ۶۷: ۶۸)

”ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے (تقدیر یعنی علم سابق) کے مطابق پیدا کیا ہے۔“

”قد جعل اللہ لكل شیء قدراً (الطلاق: ۲۸: ۳)“ اللہ رب العزت نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

علم الہی میں افعال و اعمال اختیار کے متعلق یہ بات طے شدہ ہے کہ فلاں فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے فلاں فلاں عمل فلاں فلاں وقت میں کرے گا لہذا یہ ضروری ہو گا کہ وہ شخص اپنے ارادہ و اختیار ہی سے وہ عمل انجام دے ورنہ ایک چیز کا علم الہی کے خلاف واقع ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔

اللہ رب العزت کا علم قدیمی و ازلی ہے وہ ازل سے پوری کائنات کے متعلق جانتا ہے۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ ابھی وقوع پذیر ہونے پر نہیں جان رہا بلکہ کائنات کے بننے سے قبل اس کے علم میں ہے۔ اگر ابھی کے علم الہی کا ایمان رکھا جائے تو اللہ رب العزت کی ذات بھی ایک وقت کے لئے بے اختیار ماننا پڑے گی جو عقیدہ و ایمان کے خلاف ہے۔

پس جو ہر فعل کو قدیم سے جانتا ہے اسی طرح بندے کے اعمال و افعال کو جانتا ہے اور اس سے بندہ ہرگز ہرگز مجبور و کسائی نہیں دیتا۔ علم ازلی قدیم عامل کے ارادہ و اختیار کی نفی ہرگز نہیں کرتا۔

(مثال)

اس حقیقت کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں:

ریل گاڑی کی آمد و رفت حتی الامکان طے شدہ ٹائم ٹیبل کے موافق و مطابق ہوتی ہے۔ کیا اس ٹائم ٹیبل کو ریل کے چلنے اور اس کی حرکت میں ذرہ برابر دخل ہے؟ ظاہر ہے کچھ بھی دخل نہیں۔ سمجھنے کے لئے علم الہی کو ٹائم ٹیبل سمجھیں فرق صرف یہ ہے ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ محیط و کامل نہیں وہ لوگ محض اپنے قواعد و اصول کی بناء پر طے کر لیتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن پر گاڑی فلاں وقت پہنچے گی۔ ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کسی دن درمیان میں لائن ٹوٹ جائے گی یا انجن خراب ہو جائے گا اس لئے گاڑی لیٹ ہو جائے گی۔



اس قسم کی جزئیات و عوارضات کا علم ان کو محیط نہیں ہوتا اس وجہ سے ٹائم ٹیبل کے شیڈول میں تبدیلی و تغیر کا آنا ناگزیر ہے لیکن علم الہی تمام جزئیات و عوارضات و موانع پر ہو ہو بکسج تفصیلاً محیط ہے۔ لہذا ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

انجن کی حرکت اور بھاپ کے فعل میں اس ٹائم ٹیبل کو کوئی دخل عمل نہیں۔ انجن بھاپ کی حاکمیت اور اپنی حرکت سے ڈرائیور کے ارادہ و اختیار کے موافق و مطابق چلتا ہے۔ ٹائم ٹیبل کا اس حرکت کرنے میں کوئی دخل نہیں۔

پس اس طرح علم الہی قدیم عامل کی قدرت و اختیار کو سلب نہیں کرتا۔ بلکہ علم تو معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ کیونکہ علم تو معلوم کے صحیح انکشاف و اظہار کا نام ہے۔ معلوم کے واقع ہونے میں کوئی دخل نہیں۔

عام طور پر لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہوتا رہتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ رب العزت نے پہلے ہی سے مقدر کر دیا ہے اور لوح محفوظ پر لکھ دیا ہے اور اس کا لکھا ہوا ثل نہیں سکتا تو ہماری کوشش و سعی کا کوئی فائدہ نہ رہا ہم خواہ نیک عمل کریں یا بد ہوگا بہر حال وہی جو پہلے مقدر ہو چکا ہے۔

اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ امر واقع یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ رب العزت نے پہلے جانا یا جو پہلے لکھ دیا وہ ہم نے کرنا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے اختیار و ارادہ سے کرنا تھا اللہ رب العزت کو ازل میں پہلے سے اس کا علم تھا کیونکہ ہمیشہ علم، معلوم اور واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ معلوم اور واقع علم کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے ایک انجینئر کہتا ہے کہ یہ ڈیم سو سال تک کارآمد رہے گا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ چونکہ انجینئر نے سو سال کی پیش گوئی کر دی ہے اس لئے اب خواہی نخواہی اس ڈیم کو سو سال تک کام کرنا پڑے گا۔ بلکہ امر واقع یہ ہے کہ اس ڈیم کے میٹریل اس کی ساخت اور طاقت و قوت کے اعتبار سے انجینئر نے پہلے سے یہ جان لیا تھا کہ یہ ڈیم کب تک کارآمد رہ سکتا ہے۔ پس اسی طرح بلا

تفسیر و تمثیل اللہ رب العزت نے انسان کی عقل و دماغ کا کردار اس کے ذہنی رجحان اور نیکی یا بدی کے بارے میں اس کے اختیار و ارادہ کو پہلے سے جان لیا یہی اس کا علم ازل سے ہے۔ اس کا تقدیر کہتے ہیں اور میں مکتوب لوح محفوظ ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا۔

وَكُنْ شَاقِيًّا، مَعْنُوهُ فِي الْقُرْآنِ - (القمر: ۱۷: ۱۵۲)

”ہر وہ کام جو انسان کرتے ہیں وہ لوح محفوظ میں لکھ ہوا ہے۔“ یعنی ہم اپنے اختیار و ارادہ سے جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ رب العزت کو پہلے سے معلوم تھا اور اس نے اس کو لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ علام الغیوب ہے۔ یہ بات ہرگز میں ہے کہ جو کچھ اس کو معلوم تھا اور اس نے لکھا ہوا تھا وہ ہم نے کیا ہے کیونکہ علم معلوم اور واقع کے مطابق ہوتا ہے معلوم اور واقع علم کے مطابق نہیں ہوتا۔

### مسئلہ تقدیر تاریخی تناظر میں

تاریخ میں مسئلہ تقدیر پر بہت اختلافات رونما ہوتے رہے جن میں عین فرقوں کے بارے میں عرض کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔ محترمہ میں دو فرقے گروانے جاتے ہیں۔

۱۔ معتزلہ مقدمین۔

۲۔ معتزلہ متاخرین۔

### معتزلہ مقدمین اور مسئلہ تقدیر

معتزلہ مقدمین علم الہی قدیم محیط کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال صحیح مسلم کتاب بیان میں وارد شدہ روایت سے ہوا ہے۔

ان لا قدر وان الامر تفعل۔

”یعنی تقدیر کوئی چیز نہیں اور بندہ جو کچھ کام کرتا ہے اللہ رب العزت کو پہلے سے ان افعال و اعمال کا کوئی علم نہ تھا۔“





## جناب علی المرتضیٰ کا قول

النسان کے مجبور یا مختار ہونے پر

آپؑ سے کسی نے اس مسئلے کے بارے میں استفسار کیا تو آپؑ نے سائل سے فرمایا کہ اپنی ایک ٹانگ اور اٹھاؤ اس نے اٹھائی پھر فرمایا کہ اب دوسری ٹانگ بھی اٹھاؤ۔ اس نے عرض کیا یہ تو ناممکن ہے تو آپؑ نے اس مسئلے کے ذریعہ انسان کے مجبور یا مختار ہونے کی حقیقت کو بیان فرمادیا فرمایا "پہلی حد انسان کے اختیار کی تھی" اور دوسری حد اس کی مجبوری کی ہے

## بین القدر والجبر کا حقیقی مفہوم

اب ان مراحل کا ذکر کرتے ہیں کہ جن مراحل سے گزر کر کوئی عمل تکمیل پذیر ہوتا ہے، ان مراحل کو سمجھنے کے بعد بین القدر والجبر کا حقیقی مفہوم واضح ہو جائے گا کیونکہ کسی عمل کا انجام پر پہنچنا ان مراحل سے گزر کر ہی ہوتا ہے بعض کو ان مراحل کا شعور و ادراک ہوتا ہے اور بعض کو بے علمی کی وجہ سے نہیں لہذا ہم بالترتیب ان مراحل کا ذکر کرتے ہیں۔

## ۱۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی خواہش کی

### کشش کا مرحلہ

سب سے پہلے انسان کے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی کشش پیدا ہوتی ہے۔ ایک وقت دونوں احساس اس کے دامگیر ہوتے ہیں کہ یہ کام کرے یا نہ کرے۔ یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ احساس صرف شعوری اور اختیاری اعمال و افعال سے متعلق ہوتا ہے۔ اضطراری اعمال کا ان مراحل سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہوتا۔

## اختیاری اور اضطراری فعل میں فرق

اختیاری اور غیر اختیاری فعل میں فرق سمجھنے کے لئے مثال پر غور کریں مثلاً کوئی شخص آپ کی آنکھوں میں سوئی بھجونا چاہے تو سوئی کے سامنے آتے ہی پلکیں غیر اختیاری طور پر بند ہو جائیں گی۔ اور ایسا فعل قابل مواخذہ و گرفت بھی نہیں۔ اور اگر یہی پلکیں بدعتی سے کسی فعل ناحق کے لئے حرکت کریں تو یہ اختیاری اور ارادی فعل کہلائے گا۔ اور اس ارادی فعل پر مواخذہ و گرفت ہوگی۔ حرکت ایک ہے مگر راے اور نیت نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ بہر حال سب سے پہلے ذہن میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی کشش پیدا ہوتی ہے۔ کہ یہ یاں چوئی کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ یہ سب سے ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے اور اسے کشش کا مرحلہ کہتے ہیں

## غور و خوض کا مرحلہ

کشش کے بعد اس کام کے غور کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے ذہن کرنے کے فائدہ اور نہ کرنے کے نقصانات دونوں کا جائزہ لیتا ہے۔ یعنی دونوں طرف کے ممکنہ نتائج کیا ہیں۔ ذہن میں خدائی حکم بھی آتا ہے۔ کہ کرنے پر کیا اجر و ثواب اور نہ کرنے پر کیا عذاب و عتاب ہوگا؟ اس طرح فعل کا ذہنی وجود کشش کے ابتدائی مرحلہ سے گزر کر غور و خوض کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کشش اور غور و خوض کے دونوں مرحلوں پر انسانی ذہن کسی قسم کی مجبوری اور پابندی کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ دونوں عمل کشش اور غور و خوض ذہن اور شعور کی سطح پر آزادانہ طریقے سے واقع ہوتے ہیں۔

## انتخاب نیت کا مرحلہ

یہ مرحلہ ذہنی نیت کا ہوتا ہے یہاں پر انسان دو راستوں میں  
یہ انتخاب کرتا ہے۔ پوری سوچ بچار کے بعد اسے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے :  
کہ وہ اچھائی کا مرتقب ہو یا برائی کا۔ صحیح راستے پر گامزن ہو یا غلط راستے پر  
حکم الہی کی پیروی کرے یا نفس کی اسی ذہنی فیصلے کو انتخاب نیت کہتے ہیں  
آپ ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں۔ کیا ان تینوں مرحلوں میں کسی اعلیٰ  
قوت نے انسان کو مجبور کیا اسے اختیار کرنے یا نہ کرنے پر کوئی خارجی دباؤ پڑتا  
ہے۔ ہرگز نہیں۔ تو خالصتاً ذہنی و قلبی فیصلہ ہوتا ہے ان تینوں مراحل  
میں اعمال و افعال مکمل طور پر آزادانہ طور پر کیے جاتے ہیں۔

### ارادے کا مرحلہ

ان تینوں مرحلوں کے بعد انسان اسے اختیار جانے اور اسے عمل  
جامد بنانے کے لیے ذہنی طور پر سربستہ ہو جاتا ہے۔

### نیت اور ارادے میں فرق

یہاں پر نیت اور ارادے کا فرق ملحوظ رہنا ضروری ہے۔ نیت ذہنی  
سطح پر کسی چیز کو منتخب کرنے کا نام ہے اور عزم و ارادہ اس نیت کی تکمیل پر  
ذہن کے سربستہ ہو جانے کا نام ہے۔ ہاں عزم و ارادہ نیت کے انتخاب سے  
جنم لیتا ہے نیت مقدم اور ارادہ موخر لہذا ہمیشہ عزم و ارادہ نیت کے تابع ہوتا  
ہے۔

### تعمیل کا مرحلہ

پانچواں مرحلہ ارادے کی تعمیل کا کہلاتا ہے جہاں پہنچ کر انسان  
عملی تدبیر کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر آپ نے کسی دشمن کے  
بغض کا ارادہ کر لیا ہے تو آپ کے عمل کا پانچواں مرحلہ کسی ہتھیار کے  
انتخاب اس پر عمل کرنا ہوگا۔

### تعمیل ارادے کے تابع ہوتی ہے

#### نتیجے کا مرحلہ :

جب ارادے کی تعمیل ہو چکی تو چھٹا مرحلہ نتیجے کے برآمد ہونے  
کا آتا ہے۔ مثلاً ہتھیار استعمال کرنے سے وہ شخص مر جائے یا زخمی ہو  
جائے گا۔ یہ نتیجہ آپ کے مرحلہ تعمیل کے تابع ہے، مرحلہ تعمیل عزم و  
ارادے کے تابع ہے اور مرحلہ نیت کسی کے تابع نہیں ہے۔ کیونکہ مرحلہ  
نیت غور و خوض کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے ان چھ مراحل سے گزر کر  
عمل اپنے منطقی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ ان مراحل میں سے کوئی بھی ایسا مرحلہ  
نہیں ہے جہاں پر کوئی خارجی دباؤ ہو۔ ذہنی کشمکش سے لیکر نتیجے تک انسان  
خود بخود عمل کرتا ہے اور یہ اقدام کب عمل ہے۔

### انتخاب نیت کی اہمیت

ان چھ مراحل میں انتخاب نیت کو قرآن وحدیث کی نظر میں بنیادی  
حیثیت حاصل ہے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :  
”انما الاعمال بالنية“ (رواہ بخاری)  
”اعمال کا ارادہ نیت پر ہے دوسرے مقام پر فرمایا :  
”ان الله لا يبدل ما في قلوبكم ولكن ينظر الي قلوبكم واعمالكم“  
(رواہ الترمذی)

”بے شک اللہ جب عزت تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ  
تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتے ہیں۔“  
اللہ رب عزت کے نزدیک عمل کی ذمہ داری کا فیصلہ انسان کی  
نیت اور اس کے نیت پر عمل کے مطابق ہوتا ہے

## جیسی نیت ویسی مراد

## علامہ تفتازانی کے نزدیک مسئلہ جبر و قدر

وللعباد و افعال الاختيارية يثابون بها ان كانت طاعة و يعاقبون عليها ان كانت معصية لا كما زعمت الجبرية انه لا فعل للعبد اصلاً و ان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لا قدرة عليها ولا قصد ولا اختيار وهذا باطل لا تنفرد بالضرورة بين حركة البطش وحركة الارتعاش نعلم ان الاول باختياره دون الثاني ولانه لو لم يكن للعبد فعل اصلاً لما صح تكليفه ولا يترتب استحقاق الثواب والعقاب علي افعاله ولا اسناد الامعان التي تقتضي سابقة القصد والاختيار اليه على سبيل الحقيقة مثل صلي وكتب وصام بخلاف مثل طلال العلام و اسود لونہ۔

ان الله خالق والعبد كاسب وحقيق ان صرف العبد قدرته و ارادته ابي الفعل كسب و ايجاد الله تعالي جعل عقيب ذالك خلق والمقدور الواحد داخل تحت قدرتين لكن بجهتين مختلفتين فالفعل مقدور الله تعالي بجهة الابداد و مقدور العبد بجهة الكسب كذا رضى تكون ملكا الله تعالي بجهة التخليق وللعباد بجهة تبوت التصرف۔ (شرح عقائد نسفي ۶۴)

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں :

”اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہوتا ہے اس بناء پر اگر یہ افعال طاعت پر مبنی ہوں تو ان کا ثواب ملتا ہے اور اگر معصیت پر ہوں تو ان پر عذاب دیا جاتا ہے۔ فرق جبر کا یہ کہ غلط ہے کہ بندے کو اپنے افعال کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ اس کی حرکات و سکنات تو محض جمادات کی حرکات کے مشابہ ہیں۔ جنہیں اپنے افعال پر نہ قدرت حاصل ہوتی ہے اور نہ قصد و اختیار۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بندے کو اپنے افعال کا اختیار ہی نہیں تو اس کا احکام الہی کا مکلف نہ بنایا جاتا اور اس کا عذاب و ثواب کا مستحق نہ ہوتا۔ افعال کا اس کی طرف منسوب ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان

اللہ رب حجت نے ارشاد فرمایا :  
وَمَنْ يَخْتَرِ مِنْ بَيْنِ مَا جَاءَ مِنْ آلِهِمْ مِنْ نَبِيٍّ يُلْهِمْ يَدْرُكُ الْمَوْتَ فَقَدْ وَضَعَ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ

(النساء)

”اور جو کوئی نہ اس سے رسول کی رضا نہ نیت سے اپنے گھر سے ہجرت کے لیے لٹکے پھر رہے ہیں۔ موت آجائے تو اللہ رب العزت پر اس کا اجر ثابت ہو گیا جیسی ہے۔ عمل کی جزا عطا کی جائے گی۔“

اللہ رب العزت نہ ذات یہ نہیں دیکھتی کہ اس کا عمل اپنے انجام تک پہنچایا نہیں بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ کتنا عمل میں اس کی نیت کیا تھی قرآن و حدیث میں نیت کے اخلاص پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسی پر ایک شخص مسلمان اور نیت سے ہی ایک شخص منافق سمجھا جاتا ہے حالانکہ زبان اور ظاہر کی حد تک دونوں کا قول ایک ہی ہوتا ہے۔

## خلاصہ کلام نیت

انسان اچھائی یا برائی کے ارتکاب کے لیے جب اپنی نیت کا انتخاب کرتا ہے اس وقت وہ مکمل طور پر بلا شعور و با اختیار ہوتا ہے اسے دونوں راستوں سے کسی بھی راہ کو اپنے لئے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مرحلہ خالصتاً اس کے اپنے ذہنی فیصلے کا ہوتا ہے اسی آزادی کی بناء پر وہ شخص با اختیار تصور کیا جاتا ہے۔ بقیہ تمام مراحل عمل اس کی آزادانہ منتخب نیت کے تاج ہوتے ہیں۔

خارجی مجبوریوں اور معاملات کی پریشانیوں کا دباؤ کا اثر نیت سے مرحلے پر نہیں پڑتا چوتھے مرحلے عزم و ارادہ پر ہوتا ہے۔ ثاب و نادر عمل نیت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ایسی صورت حال کو جبر و اکراہ کہیں گے۔ اصول و کلیہ ہر شخص اپنے آزاد انتخاب نیت کے باعث پابند ہوتا ہے۔

افعال میں حرکت سے پہلے قصد اور اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جہاں ہے کہ اس نے غماز پڑھی۔ اس نے لکھا جو اشیاء اس کی قدرت سے مراد ہیں۔ کے متعلق انداز مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً گنا جاتا ہے کہ اس نے زہر ماحجد لڑکا بڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ افعال کی نسبت بندے کی طرف نہیں کی جاتی بے شک اللہ رب العزت خالق ہیں اور بندہ اعمال کا کاسب ہے۔

تحقیق اس کی اس طرح ہے کہ بندہ اس کام میں اپنی قدرت اور صلاحیت صرف کرتا ہے لہذا یہ کسب ہے۔ اور اللہ رب العزت اس کی کوشش کے بعد اس فعل کو موجود دیتا ہے۔ یہ خلق ہے۔ ایک ہی فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے۔ یعنی دو مختلف جہتوں سے فعل اپنے وجود کے اعتبار سے خدا کا فعل ہے۔ مگر اپنے کسب کے اعتبار سے بندے کا جس طرح زمین تحقیق سے اعتبار سے اللہ رب العزت کی ملکیت ہے اور ثبوت تصرف کے اعتبار سے بندے اس کے مالک ہیں۔

علامہ تفتازانی کی مندرجہ بالا بحث سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ ہر چیز اللہ رب العزت کے فعل خلق کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے لیکن عملی طور پر بندہ اپنے افعال میں کسب کا اختیار رکھتا ہے۔ اور اسی اختیار کی بنیاد پر اپنے ہر عمل کا ذمہ دار اور اس پر جزا و سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقدیر کے بارے میں کرید کرید کر گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

”شیطان تمہارے پاس آتا ہے اور تم سے سوال کرتا ہے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ آپ سے سوال کرتا ہے اللہ رب العزت کو کس نے پیدا کیا۔“ تو یہاں پر تنہضت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”یہاں رک جاؤ اور شیطان کے شے سے بچاؤ۔“ ان سے آگ نہ بڑھو کیونکہ ان و موسیٰ سے انسان برآء ہو جاتا ہے۔

تقدیر کے مسئلے میں قرآن مجید جس کلیے پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے ”الانسان نہ کھیتا نہ کھنڈا نہ غور نہ مجبور نہ اور یہی ابلست کا عقیدہ ہے۔“

۱۔ اگر انسان کو کھیتا مجبور محض سمجھ لیا جائے تو پھر وہ ہر ذمہ داری سے بیگم الذمہ قرار دیا جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۲۔ اگر انسان کو کھیتا مختار مان لیا جائے تو پھر اس پر کوئی قدغن عائد نہ ہوگی جو قدرت الہی کے خلاف ہے۔ پس اس کی حیثیت بین القدور والجبر ہے۔

### خلق عمل اور کسب عمل میں فرق

انسان اور اس کے جملہ اعمال و افعال کو اللہ رب العزت نے تخلیق کیا ہے۔

”مَنْ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ“ (الصفۃ: ۲۳: ۱۹۴)

”تم کو اور تمہارے اعمال کو خدا نے ہی پیدا کیا۔“

اس آیت میں انسان اور اس کے اعمال دونوں کی تخلیق کو اللہ رب العزت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

تخلیق دو مختلف افعال اور مختلف المقاصد الفاظ ہیں کسب

اسی سے متساب بردن الفاعل ہے۔ اسے معنی دے پاتے ہیں جبکہ خلق اور تخلیق کے معنی کوئی چیز پیدا کرنے اور عدم وجود میں لانے کے ہیں۔ انسان اپنے اعمال و افعال کا کرنے والا ہے۔ اور ان کا خالق اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ انسان اور اس کی تمام نوازشیہ اعمال مخلوق محض ہیں۔ اس لئے کائنات میں صرف دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت کا خالق ہونا۔

۲۔ انسان۔ جہاں اشیاء کا مخلوق ہونا۔

خالق ہر فعل میں خالق ہے اور مخلوق اپنی ہر صفت میں مخلوق ہے۔

جملہ اعمال و افعال کو اللہ رب العزت نے پیدا کیا ہے۔



السان اپنی رضا و رغبت سے کرتا ہے۔ نعل کے انجام دینے کی ذمہ داری انسان پر عائد کی گئی ہے گویا عمل ایک ہے مگر اس کے پہلو دو ہیں۔ ایک پہلو کے اعتبار سے وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے اور دوسرے پہلو کے اعتبار سے وہ فعل انسان کا مکتوب ہے۔

اس تصور کو سمجھنے کے لئے بچے کی تخلیق کے عمل پر غور کریں یہ حقیقت خود بخود واضح ہوتی جائے گی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بچہ محض مرد و عورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانے ہی سے پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی پیدائش کے لئے امر ایزدی کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کتنے ایسے جوڑے ہیں جن کے دامن برسا برس گزر جانے کے باوجود بچوں کی نعمت سے محروم ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچے کی تخلیق میں بنیادی عمل دخل رشتہ ازدواج کا ہی ہوتا ہے۔

سہا ہے : دُجود والدین کے دم قدم ت ملا بر خلاقا اللہ رب العزت کی عطا کا مہزون منت ہے۔

ہر انسانی عمل اپنے نسب میں انسانی باتوں کا محتاج ہے لہذا اپنے وجود اور اپنی ہستی میں اللہ رب العزت کے حکم کا دستِ نگر ہے۔

اعتراض : انسانی عمل دیکھنے میں تو انسان ہی کی تخلیق محسوس ہوتا ہے اسے انسانی کسب سے الگ مخلوق ماننا ذہن قبول نہیں کرتا۔

جواب : ہر مخلوق چیز کا دکھائی دینا ضروری نہیں ہے یہ بات درست نہیں ہے کہ جو چیز دکھائی دے وہ مخلوق ہے اور جو دکھائی نہ دے وہ مخلوق نہیں ہے اللہ رب العزت نے قسم کھا کر فرمایا :

فَلَا أَقْسَمُ لِمَ أَبْصُرُونَ - وَمَا لَمْ أَبْصُرُونَ - المائدہ : ۲۹ : ۳۹

"قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔" سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ دنیائے کائنات میں بہت سی اشیاء موجود ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیتیں۔ سمرے میں نموں کے حساب سے یہ موجود ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیتی۔ انسانی آواز

موجود ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیتی۔

کسی چیز کا دکھائی دینا اس وقت ضروری ہوتا ہے جس کا جسمی وجود کثیف ہو اور اس کو محسوس اور معلوم کرنے کی حس بھی صحیح حالت میں ہو جو اشیاء غیر حسی ہوں وہ پائے جانے کے باوجود دیکھی نہیں جاسکتیں انسان خود حسی اور کثیف وجود رکھتا ہے اس لئے اس کا وجود آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر انسانی عمل بذات خود ایک لطیف وجود ہے۔ اس کے نتائج و ثمرات نہ دیکھا جاتا ہے اس کے ارتکاب میں استعمال ہونے والے اعضاء کو بھی دیکھا جاتا ہے لیکن نفس عمل کے وجود کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً شفقت و محبت حقیقت میں پتا پتا وجود تو رکھتے ہیں لیکن ہم تک ماں کی مامتا، باپ کی شفقت کے روپ میں نہ دیکھیں ان کا وجود از خود دکھائی نہیں دے سکتا۔ تکبر، غرور، حسد، کینہ، عداوت کا خارج میں الگ وجود دکھائی نہیں دے سکتا۔ ان کے ظہور کے لئے کسی منظر کا ہونا ضروری ہے ان کے پائے جانے کا انکار بھی ممکن نہیں ہے ان کے کچھنے کے لئے ذریعہ درکار ہے۔

عمل بھی بغیر انسان کے دکھائی نہیں دے سکتا عمل خارج میں موجود ہے لیکن بغیر انسان کے دکھائی نہیں دے سکتا۔ عمل انسان کی تخلیق نہیں ہے بلکہ اسے کر کے دکھایا ہے۔

### جزاء و سزا کی حقیقت

عمل تخلیق کے اعتبار سے تو مخلوق خدا ہے لیکن صدور و ظہور کے اعتبار سے انسان کا کسب ہے نہ کسب و ارتکاب آزادانہ ہے اور جزا و سزا کا تعلق کسب اعمال و افعال سے ہے۔

اللہ رب العزت نے انسانی تخلیق کا مقصد مدعا بیان فرما دیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریت : ۲۶ : ۵۶) "جن و انس کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔"

خیر و شر کو اللہ رب العزت نے پیدا فرمایا اور ان میں تمیز کرنے والی عقل جیسی نعمت عطا فرمائی۔ اگر خیر و شر کا ایک وقت وجود نہ ہوتا تو پھر انسانی زندگی نہ ہونے کے مترادف ہوتی۔ کیونکہ ہر چیز اپنے مقصد سے پہچانی جاتی ہے خیر و شر کی تعلیم ہی جنت و دوزخ کے وجود کا سبب ہے۔ انسانی شعور و ادراک خیر و شر میں ترجیح دینے میں مختار ہے مجبور نہیں ہے۔

انسانی زندگی ایک آزمائش و امتحان ہے یعنی زندگی حق و باطل خیر و شر کی کشمکش کا نام ہے۔ اور ای کشمکش میں پاس و فیل ہونا جنت و دوزخ کے وجود کی دلیل بنتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ هُمْ أَكْمَلُ الْأُمَّةِ وَالْحَيٰوةِ لِيُؤْتِيَهُمْ أَحْسَنَ عَمَلًا (النمل: ۱۰۲۹)

”اللہ رب العزت نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے۔“

موت و حیات کی تخلیق کی غرض و غایت اچھے اور برے میں امتیاز کرنا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اچھا اللہ رب العزت کی طرف سے ہے اور برائی اپنی طرف سے ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ: ۳۱، ۲۵)

”اور جو مصیبت تم پر نازل ہوتی ہے سو وہ تمہارے اعمال ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔“

نقصانات، مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہونا وہ سب اپنے اعمال و افعال کے نتائج و ثمرات ہوتے ہیں۔ انفرادی زندگی کی مشکلات اور مصائب و آلام اور آزمائش تو اپنے اعمال و افعال سے ہی ہوتی ہیں لیکن قرآن مجید میں اجتماعی زندگی کی مشکلات کو بھی لوگوں کے اپنے اعمال و افعال کے نتائج و ثمرات قرار دیا گیا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ مَعْصِيَ الَّذِي عَمِلُوا (الروم: ۳۱، ۲۶)

”خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کے سبب سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ان کے بعض اعمال کا بدلہ چکھائے۔“

نعمت کے حصول میں اللہ رب العزت کا لطف و کرم شامل ہوتا ہے

لیکن مصیبت کے وقوع میں خاصاً انسان کی اپنی غلطیوں کا عمل دخل ہوتا ہے اگرچہ ہر اچھائی اور برائی کی خلقت ہوتی من جانب اللہ ہے۔ اوبہ بندی ہی ہے کہ اچھائی اللہ رب العزت کی طرف منسوب کی جائے اور برائی اپنے اعمال کی طرف۔

قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُسِيئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكُمْ (النساء: ۵، ۶۹)

”تمہیں جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ رب العزت کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے

اللہ رب العزت کا فعل مطلقاً خلق ہے کسب و ارتکاب نہیں۔ خلق کا مقصد انسان سے اچھائی اور برائی میں عقل و شعور کے ذریعے فرق کرانا ہے۔ دیکھنا ہے کہ کون ہے جو عقل و شعور کے ذریعے اپنی انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جو عقل و شعور کے باوجود برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے ہر عمل کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہدایت قرآن کے ذریعے اس عمل کے نتائج و عواقب سے بھی انسان کو باخبر کر دیا ہے۔ ہدایت الہی کے باوجود جو شخص بہر بھی اپنی مرضی سے فتنہ و شر اور بدی کا ارتکاب کرے وہ اپنے اعمال کی سزا کا کیوں نہ ذمہ دار نہ ہوا جائے گا۔

### غلط فہمی کا ازالہ

پوری بحث سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ انسان سے اگر مواخذہ ہوتا ہے تو اس لئے کہ وہ بقائے ہوش و ہواس اپنی مرضی اور اپنے ارادہ و اختیار سے کسی عمل کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہذا یہ کہنا بے سود و عبث ہے کہ جب ہر عمل کا خالق اللہ رب العزت ہے تو انسان کو کیوں لائق تقرر گردانا جاتا ہے۔ انسان بلاوجہ ہرگز ہرگز نہیں پکڑا جاتا اس کی گرفت اس کے کسب و اختیار کا نتیجہ ہوتی ہے۔

یہی غلط فہمی مشرکین مکہ میں بھی تھی جس کا ذکر قرآن مجید یوں کرتا ہے:

لَوْ أَنَّهُ مَآ بَشَرٌ دَلَّ عَلَى الْإِلَهِ لَآتَيْنَاكَ الْوَحْيَ وَلَا تَخْشَى شَيْئًا (الانعام: ۸: ۱۳۸)

”اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ  
لشعرات در کی چیز کو اپنی مرضی سے حرام نہ ٹھہرا سکتے۔“

مگر اس کے جواب میں مشرکین مکہ کو کہا گیا کہ محض برائی کا وجود  
اس کے جائز ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا برائی اور اچھائی تو ازلی سے موجود  
ہے۔ اسی مقصد کے لئے ہے کہ الکتاب سے لوگوں میں  
اچھے اور برے کا امتیاز پیدا ہو سکے۔

### خدائی فعل خلق کی حقیقت

خلق کی حقیقت تو غلط فہمی ہے کہ اس نے اپنی دوسری بہت سی  
مخلوقات کی طرح انسانی اعمال کو بھی تخلیق فرمایا اور انسان کو بھی پیدا فرما کر  
اسے اختیار دے دیا کہ وہ جس قسم کے اعمال و افعال چاہے اپنے لئے منتخب  
کرے کیونکہ منتخب کرنے کی قوت عقل عطا فرمائی ہے جیسا عمل کرے گا ویسا  
اجر پائے گا۔

پوری کائنات کا نظام کسب پر چل رہا ہے خلق پر نہیں۔ اللہ  
رب العزت نے ہر چیز کی ضد پیدا کی ہے تاکہ دونوں میں پہچان آسانی سے ہو  
سکے :

دن کے ساتھ	رات
آرام کے ساتھ	تکلیف
راحت کے ساتھ	بے سکونی
خیر کے ساتھ	شر
حق کے ساتھ	باطل
سچائی کے ساتھ	جھوٹ
رحم کے ساتھ	ظلم
نیکی کے ساتھ	بدی
جنت کے ساتھ	جہنم

اب محض ایک چیز کا موجود ہونا اس کے اپنانے کی ذمہ داری سے  
برائت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ایک مثال کے ذریعے آپ سمجھنے کی کوشش  
کریں۔

اللہ رب العزت نے سائے کے ساتھ دھوپ کو پیدا کیا دھوپ کو  
اس لئے تو پیدا نہیں کیا کہ کوئی سخت گرمی میں دھوپ میں جا بیٹھے اور کسی  
تکلیف کے واقع ہو جانے کے بعد وہ یہ کہے کہ میری تکلیف کا سبب اللہ رب  
العزت کو دھوپ کو پیدا کرنا ہے۔ اس صورت میں کون شخص اس کے قول  
پر یقین کرے گا۔ البتہ کوئی اسی کو کہے گا کہ اللہ رب العزت نے دھوپ اور  
سائے کی تخلیق تو اس لئے فرمائی تھی کہ انسان کو گرمیوں میں سائے اور  
سردی میں دھوپ کی راحت میسر آ سکے۔ دھوپ کی تخلیق کا یہ مقصد نہیں  
کہ کوئی شخص بلا مقصد برہنہ سر یا برہنہ پا چل پلائی دھوپ میں جلے پھرے اگر  
خواخواہ کسی تکلیف سے دوچار ہو جائے تو اس غلط استعمال پر تخلیق کا کیا تصور  
ثابت ہو گا۔

### امر الہی کے بغیر مخلوق سے کچھ نہ ہونے کی حقیقت

بعض لوگ سب کچھ کرنے کے بعد کہہ دیتے ہیں کہ بھائی یہ  
سب کچھ اللہ رب العزت کے امر سے ہوا ہے۔ کیونکہ ایک درخت کا پتہ بھی  
بغیر امر الہی کے حرکت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ انسان امر الہی کے بغیر عمل  
کرے۔ آئیے اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اپنے کردار کو بدلنے کی کوشش  
کریں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے کون سا عمل امر الہی سے  
ہوا ہے اور کونسا عمل مشیت الہی کے ماتحت ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ اللہ رب العزت تمام کائنات کا خالق و مالک ہے  
اور پوری کائنات اس کی قدرت و مشیت کے ماتحت ہے تو اس کائنات میں جو  
کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب کچھ اس کی قدرت کے ماتحت ہو رہا ہے۔ یہ کہنا  
کہ سب کچھ اللہ رب العزت کے حکم اور امر اور رضا کے مطابق ہو رہا ہے یہ  
صریح نصوص کے خلاف ہے کہ خود کسی چیز کے کرنے کا حکم دے اور پھر

حکم الہی سے ہوں تو روز قیامت ابو جہل عقیہ ، عقیبہ ، شیبہ وغیرہ سے جواب طلبی کا کیا معنی ہوگا۔ حالانکہ وہ عذاب میں مبتلا ضرور ہیں۔ لہذا یہاں پر کہنا ہوگا کہ افعال غیر مستثنیٰ میں مشیت خداوندی کار فرما تو ہوتی ہے مگر امر ربی نہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ رب العزت کی مشیت کے ماتحت تو ضرور ہے مگر اس کی رضا و حکم کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔

### مشیت اور قدرت کا معنی و مفہوم

مشیت شائے مانوڑ ہے جس کے معنی ہیں ”چاہنا“ اور اس عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ رب العزت کی مشیت کے ماتحت ہے۔ برائی اور اچھائی سب اللہ رب العزت کی مخلوق ہیں یہ تحت المشیت تو ہیں مگر برائی سے راضی نہیں اس لئے اس کے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ مشیت کا مفہوم یہ ہے۔

۱۔ ”خیر“ کے ساتھ مشیت اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ اس میں اللہ رب العزت کی رضا اور پسند بھی شامل ہوتی ہے اس لئے وہ خیر کا ہی حکم دیتا ہے۔  
۲۔ ”شر“ کے ساتھ مشیت اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ وہ شر جس طرح ہو رہا ہو۔ اسے ہونے دیا جائے اور قدرت اس سے بے نیازی اختیار کرے۔  
روکنے کی قدرت کے باوجود اسے نہ روکے اس میں اللہ رب العزت کی رضا اور پسند بالکل نہیں ہوتی۔ مطلقاً یہ کہنا کہ اچھائی اور برائی سب کچھ حکم الہی سے ہو رہا ہے باطل ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

ان تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ۔

”اگر تم کفر کرو گے بے شک اللہ رب العزت تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر بجالاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تم پر بہت راضی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ برائی کو ناپسند فرمانے کے باوجود لوگوں کو ان سے زبردستی نہیں روکتا اور یہ برائی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ضرور ہوتی ہے، مگر تحت الرضا و حکم نہیں ہوتی۔

اس پر سزا مرتب فرمائے یہ حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ کائنات میں چوری، قتل و غارت، ڈاکہ، زنا سب کچھ ہو رہا ہے اور اس پر یہ کہہ دینا کہ سب کچھ امر الہی سے ہو رہا ہے تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا کیونکہ ان کے کرنے سے منع فرمایا ہے اور مع فرمانے کے بعد ان پر اجر و ثواب ملے تو یہ حقیقت کے خلاف ہوگا۔ لہذا اس بات کو سمجھنے کے لئے اختیار و اجازت کے مابین فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اختیار و اجازت میں فرق ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کو اختیار تو دیا ہے مگر وہ افعال قبیحہ جن کو اللہ رب العزت کا ناپسند فرمایا نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔ اللہ رب العزت کا ان افعال کے لئے حکم دینا یا اجازت دینا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اجازت دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس عمل پر باز پرس نہیں ہوگی۔ حالانکہ برائی پر عذاب و عتاب کا ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اللہ رب العزت نے کفر و شرک کی اجازت نہیں دی۔

ایمان و کفر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اللہ رب العزت نے اختیار دیا ہے۔ کفر کی اجازت نہیں دی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

قُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَن شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔ الممت ۲۹/۵

فرما دیجئے کہ حق اللہ رب العزت کی جانب سے ہے۔ جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے۔ شک ہم نے ظالموں کے لئے الہی آگ تیار کی ہے جس کے شعلوں کی دیوار ہر طرف سے انہیں گھیر لے گی۔ کفر کی اجازت نہیں دی اختیار دیا ہے۔ کفر اختیار کرنے کی سزا بھی بیان فرما دی ہے۔ انسان شرک کرنے میں مختار ضرور ہے لیکن اجازت نہیں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ وَمَن يَشَاءْ فَلْيُكْفُرْ مَادُونِ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ۔ النساء ۱۱۶/۵

”بے شک اللہ رب العزت نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے حالانکہ اس سے کم گناہ کو بخش دیتا ہے۔ جس کے لئے چاہتا ہے۔“  
افعال مستثنیٰ حکم الہی سے اور افعال غیر مستثنیٰ اللہ رب العزت کے حکم سے نہ اجازت سے۔ بالفرض مخلوق کے تمام اعمال و افعال امر و

اللہ رب العزت نے فرمایا ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرَ مَا بِأَنفُسِهِمْ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
جس کو خیال نہ ہو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

## انسان کے مختار ہونے کی حکمت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حکم السجده: ۳۲)

”تم جو چاہو کرتے رہو وہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔“

اس آیت کریمہ کے نین الفاظ پر غور کیا جائے تو مسئلہ تقدیر کے  
تمام ممکنہ پہلو سامنے آجاتے ہیں اور اس بارے میں پیدا ہونے والے تمام  
تکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔

## ۱۔ اعلیٰ تم عمل کرو

اس میں عمل کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ  
واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال و افعال کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں  
نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اچھے یا برے عمل کرنے کی کھلی آزادی  
رکھتا ہے اس پر قدرت کی طرف سے کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاتا۔

## ۲۔ ما شئتم جو تم چاہو

اس میں فکری، ذہنی، قلبی آزادی کا تصور دیا گیا ہے۔ انسان

نہ انتخاب نیت میں پابند و مقید ہے نہ پایہ تکمیل تک پہنچانے میں نڈر و خوض سے  
تہیجے تک آزاد ہے۔

## ۲۔ اِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اس میں ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اعمال و افعال کی جزاء و سزا  
کا تصور دیا گیا ہے کہ ”اے عمل کرنے والے میں رب العزت تیرے اعمال  
و افعال کو دیکھ رہا ہوں۔ اور تو نے ان کے متعلق جوابدہ ہونا ہے۔“ اللہ  
رب العزت نے لوگوں کے سامنے اپنے احکام کی اطاعت و قربانکاری اور خلاف  
ورزی کے انجام و عواقب کو بیان فرمایا ہے۔ واضح فرمایا ہے کہ اطاعت میں  
جنت اور خلاف ورزی میں دوزخ ملے گی۔

## انسان کے مجبور نہ ہونے کی وجہ

اللہ رب العزت نے انسان کو مجبور محض پیدا نہیں کیا۔ اگر اللہ  
رب العزت انسان کو پیدا کنی طور پر اپنی قدرت کی زنجیروں میں جکڑ دے کہ  
وہ اپنی مرضی سے نہ نیکی کر سکے نہ بدی تو کیا مجبوری کی صورت میں کی جانے  
والی نیکی اور بدی ایسی نیکی اور بدی کہلانے کی مستحق قرار پا سکتی ہے؟ کیونکہ  
مجبور آدمی کی نہ اپنی نیکی ہوتی ہے نہ بدی۔

## قضاء و قدر کا انسانی زندگی میں کردار

قدر کا لغوی مفہوم اندازہ کرنا، وزن کرنا، طے کرنا اور مقرر کرنا ہے۔ اللہ  
رب العزت نے ارشاد فرمایا :

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ تَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔ (البروج: ۳۰، ۳۱)

”یہ کتاب (ہزل و بطلان نہیں) بلکہ یہ عظیم الشان ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا  
ہوا ہے۔“

پوری کائنات بشمول بنی نوع انسان کے احوال و کوائف کا علم اللہ رب العزت  
کے پاس ازل سے موجود ہے۔ اسے لوح محفوظ میں حفاظت سے رکھا ہوا  
ہے۔ کائنات کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ بھی اس کے لیے سے ماوراء نہیں ہے۔



## احادیث رسولؐ کی روشنی میں قضاء و قدر

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ کتب اللہ المقادیر الخلاق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرش علي الماء (رواه المسلم)

”اللہ رب العزت نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔“

۲۔ ان اول ما خلق الله القلم فقال له اكتب فقال ما اكتب؟ قال اكتب القدر فكتب ما كان وما هو كائن الي الابد (رواه الترمذی)

”سب سے پہلے اللہ رب العزت نے قلم کو تخلیق کیا اور اسے حکم دیا کہ لکھ اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا مخلوقات کی تقدیریں لکھو۔ چنانچہ اس نے جو چیز ہو چکی تھی اور جو چیز ہونے والی تھی سب لکھ دی۔“

اس موضوع پر بے شمار احادیث اور روایات مروی ہیں۔ تمام محدثین نے ثقہ راویوں سے نقل کی ہیں۔ ان روایات کے مستند ہونے میں

کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ قضاء و قدر کی حقیقت نہ سمجھنے کی بناء پر عوام میں رسی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ عوام کا ان احادیث کے متعلق یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اللہ رب العزت کے سامنے مجبور محض ہے اللہ رب العزت نے تقدیر میں سالکان کو مقید کر دیا ہے وہ اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔

قضاء و قدر کا مضمون نہ سمجھنے کی بناء پر یہ غلط تاثر پھیلا ہے۔ آئیے سب سے پہلے ان دو اصطلاحوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قضاء و قدر کے دو مضمون ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ آفاقی و کائناتی

۲۔ شخصی و انفرادی

## قضاء و قدر کا آفاقی و کائناتی مضمون

قضاء و قدر کا آفاقی و کائناتی اعتبار سے مضمون یہ ہے کہ قضاء کا مضمون تخلیق اور قدر کا مضمون اختیار ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

”فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (حُم السجدة ۱۲)“

”پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم بھیجا۔ ساتوں آسمان زمین اور کائنات کے ساتوں طبقات پیدا کرنا قضاء ہے۔ قضاء خلق کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ جبکہ قدر قدرت اور تقدیر و قدر کے الفاظ جو قرآن مجید میں کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کا مضمون اختیار کرنا ہے۔“

اس طرح قضاء و قدر کے دو لفظوں میں تخلیق کائنات اور اس کی بقاء و سالمیت کا راز پنہاں و پوشیدہ ہے۔

## شخصی و انفرادی زندگی میں قضاء و قدر کا مضمون

انسان کی انفرادی و شخصی سطح پر قدر کے معنی اندازہ کرنا اور قضاء کے معنی اجراء کے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اچھائی اور برائی کو پیدا کر کے انسان کو ان کے اختیار کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ چاہے تو وہ نیکی کرے چاہے تو وہ برائی کو اپنا و طیرہ بنالے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

”الَّذِينَ نَجْعَلُ لَهُ عَمَلَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَا النُّجْدَيْنِ (البلد)“

”بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے (یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر) کے دونوں راستے بھی دکھا دیئے۔“

## قضاء کا مضمون

قضاء سے مراد وہ اصول اور قوانین فطرت ہیں جن کے ماتحت یہ کارخانہ قدرت اپنے اپنے وقت پر اور اپنے مخصوص خصائص و مصالح کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے اور جن کے ماتحت اس کائنات کے نظام کی بقاء و علت

و معلول، سبب اور مسبب، عمل اور رد عمل کے نظام کے ماتحت منضبط کر دیا گیا ہے۔ نیکی کے ثمرات و نتائج اچھے اور برائی کا انجام برا ہوگا۔ جس مقصد کے لئے تنگ و دو اور کوشش و محنت کرے گا اسکے حصول میں کامیابی و کامرانی ہوگی۔ اس تمام نظام قدرت کا نام قضاء الہی ہے جس کا ذکر اللہ رب العزت نے یوں بیان کیا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرہ: ۶)

”بے شک جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کر دیا نہ کرنا ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

جو شخص ہدایت کی تمام تر جگہ گناہوں کے باوجود کفر پر ڈٹا رہا اس کا ہدایت سے محروم رہنے کا فیصلہ قدرت کی طرف سے صادر کر دیا جاتا ہے۔ ہدایت سے محروم رہنا مجبور ہونا نہیں ہوتا خود اس کے اپنے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کی قلبی کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

كَلَّا بَلْ سَكَتَ زَانٌ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفِيُونَ (الطہ: ۳۰)

”دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔“ ایسے مقام ضلالت کی کیفیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

”جب کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کے دل پر نور کا نکتہ ثبت ہو جاتا ہے اور اس طرح نیکیاں کرنے سے دل بقدر نور بن جاتا ہے۔“

اس کے برعکس برائی کرنے سے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ توبہ نہ کرنے اور گناہ پہ گناہ کرنے کے باعث پورا دل سیاہ بادلوں کی مانند ظلمت کدہ بن جاتا ہے۔ پھر اس حالت میں ایسے شخص میں قبول حق کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ ایسا شخص مجسمہ شیطانیت اور سرچشمہ شر بن جاتا ہے۔ یہاں پر یہ خیال کرنا غلط ہے کہ دل کا تارکیک ہونا اور قلوبِ اذیان پر مر خداوندی مثبت ہو جانا کوئی ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود ان کے اعمال و افعال کے کسب کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو عمل کیا وہی اس کا رد عمل ظاہر ہوا۔

قانون قدرت کے ماتحت نافرمان بندوں کو قبول حق کے اختیار کے ماتحت اللہ رب العزت کی طرف سے حق کی دعوت کا سلسلہ جاری رہتا ہے

بند نہیں ہوتا توبہ و استغفار کے دروازے بند نہیں کئے جاتے یہ سب کچھ حکم قدر کے تحت ہمیشہ سے جاری رہا ہے اور رہے گا۔

کوئی شخص برائی کی زندگی از خود اختیار کرتا ہے اور پھر اس راستے پر برصتا ہی چلا جاتا ہے اب اگر مردہ دل ہو جانے کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت نہ رہے تو کیا اس میں کسی دوسرے کا کوئی قصور داخل ہے۔ کیا یہ کہنا درست ہوگا یا اس کے کہنے کا کوئی جواز رہے گا کہ میرا مقدر ہی خراب تھا بلکہ اسے تو چاہیئے تھا کہ وہ پہلے اپنے باطن کی اصلاح کرے جہاں سے اصل بگاڑ اور فساد شروع ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام وعظ و نصیحت بے اثر ہو گئی ہے۔ لہذا باطن کی اصلاح کر کے وعظ و نصیحت کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔

قدر مقدم قضاء موخر

قضاء و قدر دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں قدر کا تحقق بندے کے اختیار اور فعل سے ہے۔ قضاء کا تعلق اللہ رب العزت کے حکم نفاذ سے ہے۔ ان کی ترتیب یہ ہے قدر مقدم اور قضاء موخر ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے عالم الغیب و انشعاد ہونے کی بناء پر تخلیق کائنات سے پہلے اپنے بندوں کو اختیارات اور آزادی دینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا نام قدر ہے اور اس اندازے پر ہی علم کے اظہار کا نام قضاء ہے۔ اس کو میثاق کے ذریعے سمجھا جائے۔

مثلاً کوئی تجربہ کار استاد اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شاگرد کو کہہ دے کہ تو ضرور فیل ہوگا اور سال کے بعد وہ فیل ہو جائے تو کیا طالب علم کا فیل ہو جانا استاد کی پیش گوئی کی وجہ سے ہونا ہے یا اپنے محنت نہ کرنے کی بناء پر۔ ظاہر ہے استاد کا اعلان طالب علم کے مستقبل کو متاثر نہیں کر سکتا

اور واقع یہ ہے کہ طالب علم محض اور محض اپنی ذاتی و رب توحہ کی وجہ سے فیل ہوا ہے۔ اگر وہ محنت کرتا تو اسے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا البتہ استاد کا پہلے بتا دینا اس کے اعمالِ علی اور مہارتِ تامدّن دلیل ہے۔

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اللہ رب العزت نے انسان کے کسب و عمل کی نسبت پہلے سے اندازہ مقرر فرما لیا ہے اور قضاء کی صورت میں اس کا اظہار بھی فرما دیا ہے لیکن انسان کا تکمیل کار کی آخری گھڑی تک اپنے اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو اپنی نیت کو بدل سکتا ہے اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکتا ہے اور اللہ رب العزت کا بھی انسان سے وعدہ ہے۔ کہ اگر کوئی بندہ بدلنا چاہے تو اس کے بدلنے والے ارادے اور نیت کے ساتھ ہی اس کی تقدیر بھی بدل دیں گے۔

وَيُحْصِي اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُخْتَارُ وَعِنْدَ الْمَلَأِ الْكِتَابِ - (الرعد) ۳۹/۳۳

”اللہ جس کو چاہتا ہے مقرر کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور لوح محفوظ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لوح محفوظ میں ماکان مایکون کے احوال اور کیفیات کا اندراج ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اس اندازے میں تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ یہ عام طور پر قضاء مطلق کی صورت میں ہوتا ہے انسان خود کو بدلنا چاہے تو اللہ رب العزت اس کی خاطر اپنے اندازے اور اپنی مقرر کردہ تقدیر میں تبدیلی فرما دیتا ہے۔“

### شبہ کا ازالہ

بیان پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے معاذ اللہ اللہ رب العزت کا علم انسان کے اعمال کی نسبت غلط بھی نہیں ہو سکتا بلکہ لکھی ہوئی تقدیر کا منایا جانا اور اس میں لکھا جانا یہ دونوں پہلو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تقدیر ایسے مسئلے کا نام نہیں جس میں یہ تبدیلی نہ ہو سکے وہ تو محض انسانی اچھائی یا برائی کا ایسا علم ہے جس میں موقع موقع تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان اس تبدیلی کی طرف مائل ہو۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں مسئلہ تقدیر کی نسبت کچھ شکوک و شبہات پیدا ہوئے کہ جو کچھ طے ہو چکا ہے وہ بدل نہیں سکتا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

افلا نتوکل ”کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ نہ کریں۔“

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جفت القلم بماء لاق ”جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے اسے قلم لکھ کر خشک ہو چکے ہیں۔“

مضمون حدیث یہ ہے کہ خدائی علم اور نوشتہ تقدیر نے انسان کو مجبور نہیں کیا بلکہ انسان کو جنگ و دو اور جدوجہد کے ساتھ اپنے مقدر کو تلاش کرنے کی اجازت دی ہے۔ عمل کا اختیار دیا ہے اسے کسب خیر کی تلقین فرمائی ہے۔ انسان کا عمل کئے بغیر اپنے مقدر کا پیچھے رہنا عبث و فضول ہے کیونکہ انسان اپنی تقدیر، اپنے اعمال و افعال سے ہی لگتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے  
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے  
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں  
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

انسان کو تقدیری فیصلوں نے مجبور نہیں کیا بلکہ اختیار جیسی نعمت سے نوازا ہے بڑے اعمال و افعال کی ذمہ داری انسان پر ہی ہے۔ مسئلہ تقدیر پر اعمال ٹالتے رہنا کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مولانا نے روم نے اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے دو حکایات بیان فرمائی ہیں جس کے تصور میں تقدیر کا ردنا ختم کیا جاسکتا ہے فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ چور کو شاہی پیابے پکڑ کر کو تو ال کے پاس لائے اور بتایا کہ اس شخص کو ہم نے چوری کرتے ہوئے موقع پر گرفتار کیا ہے کو تو ال نے چور سے پوچھا ”تو نے چوری کی ہے؟“

اس نے جواب میں کہا کہ چوری میں نے کی ہے۔ لیکن اللہ رب

العزت کے حکم سے کی ہے تو جانتا ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی خدا کے حکم سے باہر نہیں ہے یہ سن کر کو تو ال نے پیادوں سے کہا کہ اسے درخت سے اتارنا کہ اتنا مارو کہ کھایا پیسا سب بھول جائے۔

یہ حکم سننے ہی چور نے گڑگڑانا اور روننا شروع کر دیا تو کو تو ال نے کہا اب کیوں روتا ہے؟ یہ کام بھی خدا کے حکم ہی سے کر رہا ہوں۔“ اسی طرح ایک شخص بغیر کسی اجازت کے باغ میں جا گھسا اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑنے لگا۔ اُسے میں باغ کا مالک ادھر آ نکلا اور اس شخص کو پھل توڑتے دیکھ کر بولا:

”اے اوجے حیا یہ کیا حرکت ہے؟ پھل توڑنے والے نے

جواب دیا۔“

اگر اللہ کے باغ سے اللہ کا بندہ اللہ رب العزت کی پیدا کی ہوئی سمجھو توڑ کر کھائے تو اس میں بے حیالی کی کون سی بات ہے۔ اللہ رب العزت کی لازماً نعمتوں پر سانپ بن کر بیٹھنے والا تو کون ہے۔“ یہ سن کر باغ کے مالک نے اپنے نوکر سے کہا:

کوڑا لے آؤ تاکہ میں اللہ کے اس بندے کو جواب دوں۔“ غلام دوڑا دوڑا کوڑا لے آیا۔ باغ کے مالک نے چور کو اسی درخت سے پاندھا اور اس کی پیٹھ پر کوڑے برسائے شروع کر دیئے۔ چور نے کہا ”اے بھائی کچھ تو خدا کا خوف کرو کیا مجھے مار ڈالے گا؟“ اس نے جواب دیا ”جیہو مت“۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی لکڑی سے اللہ کا ایک بندہ اللہ کے دوسرے بندے کو مار رہا ہے۔“

آخر اس چور نے اپنے عقیدے سے توبہ کی اور اقرار کیا کہ بے شک انسان کو قوت اختیار حاصل ہے۔

مولانا رام دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

جبر	بود	کے	پیشانی	بودے
ظلم	بود	کہ	عمدہ	بودے

جبر ہوتا تو پیشانی کب ہوتی  
اور ظلم ہوتا تو گمبانی کب ہوتی

مطلب یہ ہے جبر ہوتا اور بندے کو اعمال و افعال کرنے کا اختیار نہ ہوتا تو پھر مقامات پر پیشانی کب ہوتی ہے افسوس یہ کیوں؟ کیا انسان سمجھتا کہ میں مجبور تھا میں کیا کروں جو ایسا ہو گیا۔ پس پیشانی ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا بندہ اعمال و افعال میں مجبور نہیں ہے بلکہ مختار ہے اسی طرح اگر ظلم ہوتا تو اللہ رب العزت گمبانی کیوں فرماتے کہ کہیں حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں اور کہیں حفاظت کے لئے اعضاء دیئے جاتے ہیں۔

### خلق افعال پر شبہ کا ازالہ

مسئلہ خلق افعال پر بھی بعض لوگوں کو شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ رب العزت نے پیدا کیا ہے اور انسان کا جملہ اعمال و افعال کا بھی وہی خالق ہے۔ تو پھر انسان کے لئے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کیا کوئی اختیار رہ جاتا ہے

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ انسان مختار بھی ہے اور مجبور بھی اس کو سمجھنے کے لئے اس امر کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ دو قسم کے امور ہیں۔

۱۔ امور تکوینیہ۔

۲۔ امور تشرعیہ۔

### امور تکوینیہ کی تشریح

امور تکوینیہ کی تعریف میں وہ چیزیں آتی ہیں جو اللہ رب العزت کے اشارہ لفظ کن سے وجود میں آتی ہیں اور انسان کی مشیت اور ارادہ کا اس میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہوتا جیسے پیدائش، موت، مصیبت، راحت،

نعمت، بارشوں کا ہونا، کندھوں کا چلنا، سمندر میں طوفانوں کا اٹھنا، سورج کا طلوع و غروب۔ یہ سب امور تکوینیہ ہیں جن میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ان امور میں انسان مجبور ہے اللہ رب العزت نے مختلف مقامات پر اس حقیقت کو قرآن مجید میں واضح فرمایا ہے۔

۱۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَكُمْ (الانعام: ۷۰)

”وہ اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر تمہاری زندگی کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔“

۲۔ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَثْقَالٍ وَلَا تَتَّخِذُ الْإِعْلَامَ وَلَا يَتَّخِذُ مِنْ عَمَلِهِ الْيَوْمَ فِي كِتَابٍ۔ ان ذلك علي الله يسير۔ (فاطر: ۲۲: ۱۱)

”اور کسی عورت کو حمل یا وضع حمل نہیں ہوتا لیکن خدا کے علم سے اور نہ کسی شخص کو درازی عمر ملتی ہے یا کوتاہی عمر لیکن وہ لوح محفوظ میں ہے۔“

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

۳۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُوَجَّهًا۔ (آل عمران: ۱۱۰)

”کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر مر سکے ہر شخص کی زندگی کی ایک ميعاد مقرر ہے۔“

۴۔ يَقُولُونَ لَوْ كَانُوا لَدُنَّا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءًا مَا قُتِلُوا هُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَيْكُمْ مِمَّا صَبَّحْتُمْ مَبْعُوثِينَ۔ (آل عمران: ۱۵۷: ۳)

”منافقین کہتے تھے کہ ہماری بات مان لی جاتی تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔“

آپ کیسے اگر تم اپنے گمروں میں بھی ہوتے تو جن پر یہاں مرنا لکھا جا چکا تھا وہ از خود اپنے مقتل کی طرف لکل کر چلے آتے۔

۵۔ أَلَمْ يَكُونُوا يَدَّبَحُوا أَنَّكُمْ الْمَوْتُ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشِيدَةٍ۔ (النساء: ۵)

”تم جہاں بھی رہو تم کو موت آ رہا ہے اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں کیوں نہ ہو؟“

۶۔ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ هَآؤُنِ ذَٰلِكَ عَلَيْنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (الحديد: ۲۲: ۲۶)

نہ کسی ملک میں کوئی آفت آتی ہے نہ اس کے باشندوں میں، مگر وہ وقت لوح محفوظ میں ان کی پیدائش سے پہلے مکتوب ہوتی ہے۔ اور یہ بات اللہ رب العزت پر بے حد آسان ہے یہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ جو نعمت تمہارے پاس سے چلی جائے اس سے غم نہ کرو اور جو مل جائے اس پر اتزایا نہ کرو بلاشبہ اللہ رب العزت سچی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

۷۔ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ (الروم: ۶۱: ۹)

”کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ رب العزت جس شخص پر چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس شخص پر چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔“

۸۔ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نَخْرُجُ مِنْهُ حَيَاتًا مَرَاتِبًا۔ (الانعام: ۹۹: ۶)

”وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اس پانی کے سبب سے زمین سے لہجہ ہوا سبز اور غلہ پیدا کیا۔“

۹۔ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ۔ (اعلیٰ: ۴۰)

”وہ جس نے تمام مخلوقات کے لئے ایک ضعی نظام مقرر فرمایا پھر ہر ایک کو اس نظام کے مطابق چلنے کی توفیق بخشی۔“

۱۰۔ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَٰلِكَ تَفْهِيمُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ (الانعام: ۹۶: ۴)

”اور اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا اور سورج اور چاند کا ایک حساب مقرر کیا (ان دونوں اجرام کا نظام) ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا مقرر کیا ہوا ضابطہ ہے۔“

۱۱۔ وَالْقَمَرَ قَدَرًا مَنَازِلَ۔ (یسین: ۲۳: ۳۹)

”اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کیں۔“

۱۲۔ وَاللَّهُ يَقْدِرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (مزمل: ۲۹: ۲۰)

”رات اور دن کا ضابطہ اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے۔“

مندرجہ بالا امور جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان کے رجوع



میں انسان کا کوئی دخل نہیں اور ان میں وہ مجبور ہے۔

### امور تشریعیہ

امور تشریعیہ وہ ہیں جن کی بجا آوری کے ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کو مکلف اور پابند کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے خیر اور شر دونوں کو پیدا کیا ہے۔ اور دنیا میں شر پر ابھارنے کے لئے شیطان کو پیدا کیا اور خیر پر راہنہ کرنے کے لئے آسمانی کتابوں اور انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا۔ اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رچی ہیں کہ ایک قوت وہ ہے جو اس کو نیکی پر ابھارتی ہے جو لمہ رحمان یا عرف عام میں ضمیر سے تعبیر کرتے ہیں اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو شر پر آکھاتی ہے جس کو لمہ شیطان یا عرف عام میں ہمزاد کہتے ہیں۔

اس کے بعد اس کو عقل سلیم دی تاکہ وہ خیر و شر کے درمیان اپنے لئے راستہ منتخب کر سکے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

۱۔ وَهَدَيْنَا السَّبِيلَ (البقرہ: ۳۰)

"ہم نے انسان کو خیر و شر کے دونوں راستے دکھا دیئے۔"

۲۔ مَنْ شَاقَلَيْتُمُومِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ (الکہف: ۱۵)

"جو چاہے اللہ پر ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔"

۳۔ مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (الجاثیہ: ۲۵)

"جو نیک عمل کرے اس کا نفع اس کو ملے گا اور جو بدی کرے گا اس کا ضرر بھی اسی کو پہنچے گا۔"

اسی طرح کی تمام قرآنی آیات کا مقابہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو ایمان اور کفر نیکی اور بدی دونوں راستے دکھا دیئے ہیں اور ان کے انجام سے بھی واقف کر دیا ہے اور عقل سلیم بھی دے دی ہے کہ وہ ایمان اور کفر، نیکی اور بدی میں سے جو راستہ چاہے منتخب کرے۔ اگر انسانی عقل کے لئے یہ اختیار نہ مانا جائے تو نہ صرف یہ عقل کے خلاف ہے بلکہ قرآنی نصوص کے بھی خلاف ہے۔

اگر انسانی عقل کو اپنے لئے بھلائی اور برائی کے خلاف کی قدرت نہ ہو تو انبیاء اور رسل کا مبعوث ہونا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کا نازل ہونا سب عبث اور فضول قرار پائیں گے۔ اور یہ اللہ رب العزت کی حکمت کے خلاف ہے۔

ایک انسان کو قطعی طور پر کسی کام کے کرنے کے لئے مجبور اور بے دست و پا کرنے کے بعد اس سے اس فعل پر مواخذہ کرنا بظاہر ظلم ہے جس سے اللہ رب العزت نے اپنی برات بیان فرمائی ہے:

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔ (حکم السجدہ: ۲۳: ۲۴)

"اللہ رب العزت اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"

اللہ رب العزت نے فرمایا:

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا وَلَا وِسْعَةً لَهَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (البقرہ: ۲۸: ۳۰)

"اللہ رب العزت کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا جو شخص نیکی کرے گا تو اس کا نفع اس کے لئے ہے اور اگر برائی کرے گا تو اس کا ضرر بھی اسی کو پہنچے گا۔"

قرآنی مضمون انسان کے مجبور ہونے کی تردید کر رہا ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے بلکہ اس کو نیکی یا بدی اختیار کرنے کا موقع اور اختیار دیا گیا ہے اگر انسان ہمت کی طرح بے اختیار و مجبور ہوتا تو اس کو نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم دینا۔ اس کی طاقت اور وسعت سے بڑھ کر اس کو مکلف کرنا ہوتا۔ اور قرآن مجید واضح طور پر فرماتا ہے کہ اللہ رب العزت کسی شخص کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تعمیل کا حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ طاقت کے بغیر مکلف کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے نوکر کو سودے لینے کے لئے دکان پر بغیر رقم کے بھیج دے۔ جب دکان پر سودا طلب کرے تو رقم نہ ہونے پر دکاندار سودا واپس کر لے کیونکہ بغیر رقم کے سودا ملنا ناگزیر ہے۔

پس اسی طرح بغیر اختیار کے مکلف ہونا بھی فضول و عبث ہوگا۔ لہذا انسان مجبور محض ہرگز نہیں ہے اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھیں:

مثلاً ایک بچہ کی خواہش ہے کہ آج باغ میں جا کر ساتھ ہوں کے ساتھ کھیلے اور کیف و سرور حاصل کرے لیکن اس کے والدین اس سے کہتے ہیں سکول جاؤ وہ نہیں جاتا تو اس کی خواہش کے برعکس اس کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اسکول لے جاتے ہیں اور بچہ کا یہ حال ہے کہ جب والدین کی گرفت ڈھیلی ہو تو فوراً باغ کی طرف دوڑتا ہے سو والدین یہ سمجھ اس کو پکڑ کر زبردستی

اسکول لے جاتے ہیں۔ یہ بچے کے ساتھ کھلا ہوا جبر ہے۔ اگر ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا کہ ہمارا دل تو چاہتا کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھیں اور کوئی ان دیکھی قوت زبردستی ہماری خواہش کے خلاف ہمیں شراب خانہ لے جا کر شراب پینے پر مجبور کر دیتی تو یہ جبر ہوتا حالانکہ یہ امر واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ جب ہماری خواہش نماز کی ہوتی ہے تو ہم نماز پڑھتے ہیں اور جب ہماری خواہش نماز کے وقت سونے یا کھیلنے کی ہوتی ہے تو ہم سوتے یا کھیتے ہیں اور جب ہر عمل ہماری خواہش پر ہی مرتب ہوتا ہے تو جبر کہاں رہا

حقیقتاً انسان مجبور نہیں ہے۔ اور اس کا ہر قول و عمل اس کے اختیار و انتخاب پر مرتب ہوتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کا اس سے باز پرس کرنا اور مواخذ کرنا اور جزاء و سزا کا مرتب کرنا ان میں سے کوئی چیز بھی خلاف عقل نہیں ہے۔

اس لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

۱۔ فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً يره (سورۃ زلزال۔ ۳۰)  
”جس شخص نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی کی تو اس کی نیکی کا صلہ ملے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر بھی برائی کی تو اس کی سزا بھگتے گا۔“

۲۔ ام حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين امنوا وعملوا الصالحات سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون۔ (الجاثية: ۲۵، ۲۶)

”وہ لوگ جو برے کاموں کو دلیری سے کرتے ہیں کیا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو نیکوکاروں کے برابر درجہ دیں گے۔ خواہ زندگی ہو یا موت یہ ان کا قطعاً غلط فیصلہ ہے۔“

۳۔ وان ليس للانسان الا ما سعى وان سعيه سوف يری۔ (النجم: ۲۷، ۲۸)  
”اور انسان کو صرف اس کی اپنی کوشش کا پھل ملے گا اور عقرب اس کوشش کو دیکھ لیا جائے گا۔“

۴۔ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ الْحَقَّ فَمَنْ قُلْتُ مُوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَتْ مُوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ يَمَّا كَانُوا يَآتِيَانِ يَظْلَمُونَ۔ (الاعراف: ۸، ۹)  
”روزِ حساب اعمال کا وزن یقینی ہے۔ پس جن کی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا وہ خسارہ اٹھائیں گے کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔“

کیا تقدیر پر تمکیہ کرنا درست ہے

اپنی برائیوں کے جواز اور ان پر مواخذہ و گرفت سے بچنے کے لئے تقدیر پر تمکیہ کرنا یا جبر کی آڑ لے لینا مثلاً  
کہ قتل کرنا ہماری قسمت میں لکھا ہوا تھا اور مقتول کا میرے ہاتھوں قتل ہونا تقدیر ہے۔ برائی سے بچنے کے لئے بڑے جتن کئے لیکن تقدیر جیت گئی اور برائی سرزد ہوگئی۔ ایسے عذر قابلِ معافی نہیں ہیں۔ ایسا تقدیر کا تمکیہ روزِ محشر کفار بھی اپنی برات اور نجات کے لئے پیش کریں گے لیکن ان کا یہ عذر نہ سنا جائے گا نہ قبول ہوگا۔

چنانچہ اللہ رب العزت قیامت کے دن کفار کے قول کی حکایت کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ”کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے فرشتوں کی عبادت کیوں کی؟ تو وہ کہیں گے۔“

۲۰۱۲۵  
وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِدُ لَأَنفَعَنَا بِمَا كُنَّا نَعْمَدُ إِنَّا كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ هُمُ الْآخِرُونَ۔ (الفرصہ)  
”کہنے لگے اگر اللہ رب العزت چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس حقیقت کا علم نہیں یونہی اٹھل بچو سے باتیں کرتے ہیں۔“

## کیا شیطان کے سربدی کا تھوپنا درست ہے

اور بعض لوگ اپنی برائیوں کو شیطان کے سر تھوپ کر آزاد ہو بیٹھتے ہیں کہ ہمیں تو شیطان نے یہ عمل کرایا۔ روز قیامت شیطان بھی ایسے لوگوں کو دھتکار دے گا۔

وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُسُكُمْ۔ (ابراہیم: ۲۲: ۱۳)

”میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تم کو برائی کی دعوت دی تم نے قبول کر لی پس مجھ کو ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔“

شیطان کے سر اپنے اعمال تھوپنے والوں کو ایسے دھوکہ سے باز آجاتا چاہیے اور اپنے عقل و شعور اور احساس سے اپنے آپ کو بدلنا چاہیے نہ کہ ہر وقت تقدیر کا رونا چاہیے۔ ایسے انسان کتنے بے شعور ہیں جو حال اور مستقبل کو ماضی کی طرح گزارنے پر اپنے آپ کو تقدیری مجبور سمجھتے ہیں حالانکہ اتنا بھی سمیا جاسکتا ہے کہ (ماضی) جو ہو گیا گزر گیا۔ اسے تقدیر کہہ لیا جائے اور جو ہوتا ہے اور آنے والا ہے اسے امکان کہہ دیا جائے تو آسانی کے ساتھ زوال و عروج میں بدلا جاسکتا ہے۔ آنے والا بدل سکتا ہے کیونکہ ابھی کیا نہیں گزرا ہوا بدل نہیں سکتا کیونکہ وقت کا پیسہ واپس نہیں ہو سکتا۔

لہذا

اس تصور میں انسان زندگی کے دھاروں کو بدلنے کا حلیہ کر لے تو زوال و انحطاط کو عروج میں بدلا جاسکتا ہے۔ ماضی کو تقدیر اور حال کو فیصلے کا لمحہ اور مستقبل کو امکانات کا خزانہ تصور کیا جائے۔ تو زندگی کی تمام پریشانیوں کو راحتوں میں بدلا جاسکتا ہے اور اس سے ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھنے والی ناامیدی و مایوسی کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہماری بے یقینی و ناامیدی کی کئی وجوہات ہیں جن میں تقدیری فیصلوں کے بارے میں غلط فہمی اور مقصد زندگی کا نہ سمجھنا بھی اہم ترین وجوہات ہیں۔

تقدیر کے حوالے سے تو بحث کی جا چکی ہے اب مختصر یقین کی

اہمیت پر کچھ عرض کرتا ہوں کیونکہ یقین ایک ایسی دولت ہے جو بے امیدی اور مایوسی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

بے یقینی کیوں ہوتی ہے؟ اس کا یہی جواب ہو گا مقصد نہ ہو تو یقین کی حاجت نہیں رہتی اور مقصد نہ ہو تو عمل کا رٹ متعین نہیں ہو سکتا اس سے بے راہروی کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ سب سے پہلے مقصد متعین کیا جائے پھر اس کے حصول پر یقین کامل رکھا جائے تو زندگی کے مقصود کا حصول ناممکن نہیں ہے۔ یقین عمل کی بنیاد ہے۔ اللہ رب العزت نے یقین کو مقصود عبادت قرار دیا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (الحجر: ۹۹: ۱۳)

”اتنی عبادت کر اپنے رب کی۔ یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔“

یقین کی ضد شک ہے اور یہی شک تقدیر کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے کیونکہ شک عمل کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ شک۔ ناامیدی و مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے انسان متزلزل ہو جاتا ہے۔ شک۔ کو دور کرنے کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ رب العزت نے بھی آغاز قرآن

رحمت

معرفت

علم

سے نہیں کیا کہ یہ رحمت کی کتاب ہے یا معرفت کی کتاب ہے یا علم کی کتاب

ہے۔ اس طرح کتاب کی اہمیت کو واضح نہیں فرمایا بلکہ فرمایا:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔

”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

کیونکہ جب انسان شک سے بالاتر ہو جائے تو پھر انسان اپنے سوال کو پا سکتا ہے۔ یقین مل جائے تو آتش نمرود، فرعون و یزید کا مقابلہ کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ سب معرکے جن میں سب کچھ اسلام کے لئے لٹایا گیا وہ یقین ہی کے بل بوتے پر ہوا ہے۔ یقین کو ایمان سے اور شک کو کفر سے

بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

لہذا آخرت پر یقین رکھیے کہ ہم نے اپنے کیے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ تصور آخرت یقین کی حد تک عمل میں پیدا ہو جائے تو ناسیدی و مایوسی ختم ہو جاتی ہے۔ آئیے آج پروردگار عالم سے وعدہ کریں کہ ہم نے اپنی زندگی کے مقصد و مدعا کو سمجھنا ہے اور اس پر گامزن رہنا ہے۔ اللہ رب العزت بصدق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

### مسئلہ تقدیر تاریخی تناظر میں

#### عبدالرسالت مآب اور مسئلہ تقدیر

تاریخ اسلام میں جو مسئلہ سب سے زیادہ مناقشات کا موجب بننا رہا ہے وہ مسئلہ تقدیر ہے۔ قدیم ادیان و مذاہب کے پیروکار بھی اسی مسئلہ میں الجھے رہتے تھے مشرکین مکہ بھی طبع آزمائی کرتے اور اسی بل بوتے پر وہ اپنے شرک کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ڈال دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۶-۱۸۴)

”اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہراتے اور کسی چیز کو اپنی مرضی سے حرام نہ ٹھہرا سکتے۔“

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی ذہنیت مشرکانہ کو بیان کرتے ہوئے آگے فرمایا:

كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا وَقُلْ مَنْ عِندَكُمْ مِن عِلْمٍ فَلْيُخْرِجُوا لَنَا مَن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (الانعام: ۶-۱۲۸)

”اسی طرح جھٹلایا تمنا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا آپؐ فرمائیں کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر) ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ تم (یقین کو چھوڑ کر) حمان کی پیروی کرتے ہو اور تم محض غلط تخمینے لگاتے ہو۔“

آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ عبدالرسالت مآب سے پہلے بھی لوگ اسی

نسبت غلط افکار و خیالات کی بناء پر نیست و نابود اور ہلاک ہوتے رہے ہیں۔ مفسر قرآن علامہ محمود آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں مذکور آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہیں:

”آیت کریمہ کا یہ معنی و مضمون نہیں کہ مشرکین افعال قبیحہ سے معذرت کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ تو سرے سے ان افعال کی ذہانت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر وہ ان افعال کو نیک کاموں میں داخل سمجھتے تھے۔“

یہ سمجھتے تھے کہ بتوں کی پوجا تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے جن جانوروں کو وہ حرام مانتے تھے ان کے نزدیک ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تھی۔ اس بات سے

اصل ان کا مقصد و مدعا یہ ثابت کرنا تھا کہ جن افعال و اعمال کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وہ بالکل حق و صداقت پر مبنی، جائز و مشروع اور موجب رضائے الہی ہیں۔ وہ

اپنی یہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ افعال اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے انجام دیئے ہیں اور مشیت خداوندی امر و حکم کے مترادف ہے وہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں

ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ منطقیانہ انداز میں ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے شرک و تحریم کا کام اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے ماتحت انجام

دیا ہے اور جو کام اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے کیا جائے وہ پسندیدہ و لائق تحسین و آفریں ہوتا ہے لہذا ہمارے سب کام مستحسن و پسندیدہ ہیں۔“

قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین مسئلہ تقدیر کو موضوع بحث بنایا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف وہ احتجاج و استناد کیا

کرتے تھے عبدالرسالت مآب میں منافق بھی مسئلہ تقدیر کی نسبت طرح طرح کے ٹھوک و شہات اور وساوس پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کیونکہ یہ منافق

ظاہر تو مسلمانی کا دعویٰ کرتے اور باطن کافر کے کافر ہوتے لہذا ان کے خبث باطنی کا اہتمام زیادہ تر مسئلہ تقدیر کی نسبت ہوا کرتا تھا۔ یہ منافق لوگ صحابہ کرامؓ میں

بھی اسی مسئلہ کی نسبت وساوس پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقدیر پر ایمان لانے کو واجب قرار دیا

اور ساتھ ہی اس پر غور و فکر کرنے سے بھی روک دیا۔



حدیث جبرائیل میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان کے متعلق پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، روزِ آخرت اور اپنی پابندی تقدیر پر ایمان رکھیں۔

حدیث اہم مسلم، شریف کتاب الایمان کے آغاز میں فرماتے ہیں:

”خود، امام مسلم اپنی مکمل سند کے ساتھ یحییٰ بن یعمر سے روایت کرتے ہیں کہ یعمر نے بیان کیا کہ سب سے پہلے تقدیر کا انکار کرنے والا معبد، جہی نامی شخص تھا جس کا قیام بصرہ میں تھا۔“

یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ میں اور حمید بن عبد الرحمن صیری، حج یا عمرہ کی غرض سے مکے اور ہم نے آپس میں کما کاش ہماری ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی صحابی سے ہو جائے اور ہم ان سے تقدیر کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اتفاقاً ہماری ملاقات حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اس وقت ہوئی جس وقت وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور گفتگو کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

”عبد الرحمن نے کہا ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن مجید پڑھتے ہیں اور علمی مباحث کرتے ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے اور جو کچھ بھی دنیا میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے بغیر ابتداً ظہور میں آتا ہے۔“

اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا:

اذا لقیت اولئک فاستبرہم انی بری منهم وانهم برآء منی والذی یحلف بہ عبداللہ

ابن عمرؓ لو ان لاحدہم مثل احد ذہباً فانفقہ ما قبل الذم منہ حتی یومن بالقدر۔ رواہ العلم

”جب ان لوگوں سے ملو تو ان سے کہنا کہ میں ان سے لائق ہوں اور وہ مجھ سے اور عبداللہ ابن عمرؓ حلفیہ کہتا ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو

وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لے سکے۔“

اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت کو بیان فرمایا جو ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ لہذا اس سے ثابت ہوا تقدیر کا اقرار گویا ایک طرف سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان و ایقان اور اس کے عالم الاشیاء ہونے پر یقین رکھنے کے مترادف ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھنے والا اس حقیقت مسلمہ کا لسان و قلب سے اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق روزِ اول سے ہر چیز کے بارے میں لکھ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیر پر ایمان لانے کی بار بار ترغیب فرمایا کرتے تھے تاکہ منافقین کے وساوس سے کامل الایمان لوگ محفوظ رہ جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں کو قدیم مذاہب و ادیان کے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا تو ان میں دونوں طرفوں کے لوگ تھے کچھ لوگ تقدیر کو مانتے تھے اور کچھ انکاری تھے ایسے حالات میں تقدیر کے انکاری اور انکاریوں میں مناقشات و مجادلات ہونے جس کی وجہ سے تقدیر کی نسبت شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے۔

### عبد خلافت فاروقیؓ اور مسئلہ تقدیر

روایت میں ہے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا آپؓ نے چور سے چوری کی وجہ پوچھی کہ ”تم نے چوری کیوں کی؟“

چور بولا ”اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ میں چوری کروں۔“

”آپؓ نے اس پر حد نافذ کر دی اور کچھ مزید درے لگائے جب

حضرت عمر فاروقؓ سے مزید درے لگانے کی وجہ پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا ”اس کا ہاتھ تو چوری کے جرم میں کاٹا گیا اور درے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا الزام دینے پر لگائے گئے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ ایمان بالقدر کا عقیدہ حذر و احتیاط کے معافی میں ہے۔ روایت میں ہے:



”حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی اس زمانے میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شام گئے ہوئے تھے وہاں کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں سے لکھنے میں جلدی کی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا :

الفر من قضاء الله۔

”کیا آپ اللہ تعالیٰ کی قضاء سے بھاگتے ہیں“  
آپؓ نے فرمایا:

افر من قضاء الله الي قدر الله۔

”میں اللہ تعالیٰ کی قضاء سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔“

حضرت عمر فاروقؓ کے فرمان کا معنی و مضموم یہ ہے کہ قضاء تو فیصلے کا صرف اعلان ہے۔ اگر طاعون جیسا ملک مرض کسی علاقے میں وباء کی صورت میں پھیل جائے اور میں کسی دوسرے علاقے میں پہنچ کر اس مرض سے بچ جاؤں تو میرا بچ جانا اللہ تعالیٰ کی تقدیر یعنی علم میں ہو گا۔ اس لئے فرمایا کہ طاعون کے فیصلے سے ہمت کر میں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف جا رہا ہوں۔

”کیونکہ قضاء ایک امر الہی ہے مگر تقدیر پر انسان کا اختیار ہے۔“

وہاں کہ ایمان باللہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسباب سے فائدہ نہ اُجھایا جائے

### عہد خلافت عثمانیؓ اور مسئلہ تقدیر

روایت میں ہے : جن بلوایوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت میں عمل کر لیا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے آپؓ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ جب بلوائی آپؓ پر پتھر پھینکتے تھے تو ساتھ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو پتھر مار رہے ہیں۔  
”حضرت عثمان غنیؓ فرماتے۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو اگر اللہ تعالیٰ پتھر مارتے تو اس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا ہے۔“ حالانکہ تمہارے کئی نشانے خطا ہو رہے ہیں۔“  
ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب خیالات فاسدہ گمراہ لوگوں کے پیدا کردہ تھے۔

### عہد خلافت مرتضویؓ اور مسئلہ تقدیر

لحمك لحمي جمسك جسمي (حدیث نبوی ﷺ)

”تیرا گوشت میرا گوشت ہے تیرا جسم میرا جسم ہے۔“

جناب علی المرتضیٰؓ کو ذات نبوتؐ سے اس قدر تقرب کا اعزاز نصیب ہوئے کہ باوجود بد نصیبی سے لوگوں نے جناب علی المرتضیٰؓ کو سکون و اطمینان کے ساتھ خلافت کرنے نہیں دی۔

تاریخی اوراق اس حقیقت کے غماز ہیں کہ جناب معاویہؓ نے جناب علی المرتضیٰؓ کو چین و آرام اور سکھ کا سانس لینے ہی نہیں دیا کہ یہ مظلوم خلیفہ رسولؐ

امن و سکون کے ساتھ دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے کام کر سکے۔  
طرح طرح کے فتنے اور بغاوتیں کرنا شروع کر دیں اور آج نام نہاد ملان بغض علیؓ میں اس قدر جل بھن گیا ہے کہ ایسی بغاوتوں کا نام کی حد تک بھی ہمارا ذکر کرنا گوارا نہیں کرتا ہم نے اس سلسلے میں اپنا موقف انوار نبوتؐ میں درج کر دیا تھا۔ اس کے باوجود جب علیؓ کے جرم میں جس لقب سے بھی ملقب کر دیا جائے اسے اعزاز سمجھتا ہوں۔

۱ خیر یہ تو باتوں میں بات نکلتی گئی اس پر تو خصوصی کتاب آنے والی ہے۔

”کیا حب علیؓ و حسینؓ جرم ہے؟“

جس میں واضح کیا گیا ہے کہ خارجیت و ناصیت نے ہی بغض صحابہؓ پھیلایا ہے نہ کہ حب علیؓ و حسینؓ نے بغض صحابہؓ کی اشاعت کی ہے۔

میں مسئلہ تقدیر کا تاریخی پس منظر عرض کر رہا تھا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ جناب علی المرتضیٰ کے دورِ خلافت میں اپنے اور بیگانوں سب کی کرم نوازیوں سے طرح طرح کی بغاوتوں اور فتنہ پردیوں کا دور تھا ان بغاوتوں اور فتنہ پردیوں کی بناء پر مسئلہ تقدیر اور زیادہ ابھرا اس مسئلہ کی نسبت لوگوں نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی۔

”شیخ البلاغہ شرح ابن ابی الحدید میں ہے :

”آیت بوڑھے شخص نے جناب علی المرتضیٰ کی خدمت میں عرض کیا :

”آپ یہ فرمائیے کہ آیا ہمارا یہ سفر (یعنی جنگ) کی طرف تقدیر خداوندی کے مطابق تھا۔“

جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا :

”نعم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اور اس ذات کی جس نے دانے کو پکھا کر انگوریاں پیدا کیں اور روحوں کو پیدا کیا۔ ہم جہاں سے بھی گزرے اور جس وادی میں بھی اترے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہی اترے۔“

یہ سن کر بوڑھے نے کہا :

”پھر مجھے اجر و ثواب کیونکر ملے گا۔“

جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا :

”بوڑھے چپ رہ اس سفر میں اور اس سے واپس لوٹنے میں تمہیں بڑا اجر ملے گا۔“

تم کسی حالت میں بھی مجبور نہیں تھے۔ بلکہ یہ سفر تم نے اپنے ارادے سے انجام دیا۔

بوڑھا کہنے لگا :

”کیونکہ ایسا ممکن ہے کیونکہ ہم تو تقدیر کے چلانے سے چلے تھے۔“

جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا :

”شاید تمہارا خیال ہے کہ تقدیر کی بناء پر کوئی شخص مجبور ہو جایا کرتا ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر ثواب و عقاب وعدہ و وعید اور امر و نہی سب بے کار ہو کر رہ

میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ گنہگار کو ملامت کر سکیں اور نہ ہی نیکوکار کی تعریف کر سکیں۔“

ایک اعمال انجام دینے والا بدکار سے افضل ہو اور نہ ہی بدکار نیکوکار کی نسبت مذمت کا زیادہ مستحق ہو۔

۱۰۰

جو بات آپ کہہ رہے ہیں یہ تو بظن کے بہاریوں باطل حق و ثواب سے بے بہرہ قدریہ کا مقولہ ہے جو اس امت کے محبوس ہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان میں بندہ مختار ہوتا ہے۔ اس نے برے کاموں سے اس لئے منع کیا کہ برے افعال سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو افعال کا مکلف بنایا ہے مگر میں آسمانیاں بھی دی ہیں وہ زبردستی اطاعت پر مجبور نہیں کرتا اور نہ ہی مغلوب کو جان قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو دنیا میں بے مقصد نہیں بھیجا اور نہ ہی دین و آسمان کو بے کار پیدا کیا یہ تو کفار کا عقیدہ ہے۔ اور کفار دوزخی ہیں۔

بوڑھے نے پوچھا :

”وہ تقدیر کیا چیز ہے جس نے ہمیں چلنے پر مجبور کیا۔“

جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا :

”تقدیر اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔“ پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی :

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَٰهٗ- ہن اسرائیل: ۱۳۰

”اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کیجئے۔“

یہ سن کر بوڑھا ہنسی خوشی چل دیا۔

جناب علی المرتضیٰ کے علاوہ لوگ آپس میں بھی اس مسئلہ پر بحث و مجادلہ و مناقشہ کی محافل سرگرم رکھتے تھے۔ ان مجادلات و مناقشات سے گہری اور نفسی علمی اضطراب بڑھتا ہی گیا۔ جناب علی المرتضیٰ نے ان مناظروں و مجادلوں کی بڑی مذمت فرمائی اور صحیح مسئلہ واضح فرمایا۔

جناب علی المرتضیٰ کے بعد جناب امام حسن عوالہ رسول کو بھی سکون دیا

اطمینان کے ساتھ دین کی ترویج و اشاعت کا کام نہ کرتے دیا آخر کار چھ ماہ کے بعد نواسہ رسولؑ کو بھی خلافت چھوڑنا پڑی جو چھوڑتے ہی ملکیت میں بدل گئی۔ جناب معاویہؓ کے دور ملکیت میں بھی مسئلہ تقدیر پر لوگوں کے آپس میں بحث و مجادلہ ہوا کرتے تھے جس سے مزید شکوک و شبہات لوگوں میں پیدا ہوتے گئے۔

### فلسفیانہ افکار و آراء سے مسئلہ تقدیر پر مناقشات و مجادلات

مسلمان جب رومیوں اور یونانیوں اور اہل ایران سے مل جل گئے تو مسلمانوں میں فلسفیانہ افکار نے رواج پانا شروع کر دیا۔ یہ اقوام فلسفہ کی بڑی قدروان تھیں فارس کی طرح عراق میں بھی فلسفیانہ مدارس پائے جاتے تھے بعض عربوں نے ان مدارس میں فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ مثلاً حارث بن کلابہ اور اس کا بیٹا نصر انہی مدارس کے تربیت یافتہ تھے جب ان ممالک میں اسلام پھیلنا تو ان ممالک میں بڑے بڑے ماہر فلسفی تھے بعض مسلمانوں کو بھی فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ملک شام کے لوگ فلسفہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فلسفیانہ افکار کے رواج پانے سے عقائد کی مباحث چھڑ گئیں۔ بعض علماء نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ ”آیا صفات خداوندی عین ذات ہیں یا غیر ذات؟“

”کیا کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا نہیں؟“

”یا قوت مجید اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے یا نہیں؟“

اس طرح بہت سے اختلافی موضوعات پیدا ہو گئے۔ پھر تقدیر کا مسئلہ چھڑا اور اس نے انسانی ارادہ کے مناقشات پیدا ہوئے کہ آیا انسان مختار ہے یا مجبور؟

مسئلہ تقدیر انسانی ارادہ و قدرت کی حیثیت، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی حقیقت یہ وہ مسائل تھے بعض اہل علم نے بحاجہ کرامت کے دور میں ان مسائل کو حل کر دیا تھا۔ علماء کا ایک فریق اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ انسان اپنے آپ کا خالق نہیں ہے اور جو افعال انسان کی طرف بظاہر منسوب ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ہی متعلق ہے۔

اس مذہب کا مابقی نقطہ کہ یہ تھا کہ ہر شے سے افعال کی نفی کرے

لہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کر دیا جائے کیونکہ بندہ میں استطاعت نہیں ہوتی وہ تو اپنے افعال میں مجبور محض ہے۔ نہ اس میں قدرت پائی جاتی ہے نہ ارادہ ہی اختیار۔ جیسے پتھر وغیرہ۔

### فرقہ جبریہ اور مسئلہ تقدیر

مجبور محض کا عقیدہ رکھنے والے فرقہ کا نام اس طرح جبریہ کہلایا۔ اللہ تعالیٰ میں افعال کو ایسے پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ سب جادات میں اور مجازی طور پر اس انسان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں جس طرح جادات کی طرف۔ مثلاً

”پ کہتے ہیں ”درخت پھل لایا“، ”پانی جاری ہوا“، ”پتھر نے حرمت کی“، ”سب طلوع ہوا“، ”آسمان پر بادل چھا گئے“، ”بارش ہونے لگی“، ”زمین گھاس پھوس بھری ہو گئی“ وغیرہ وغیرہ۔

پس ثابت ہوا کہ جزا و سزا بھی ایک قسم کا جبر ہے جب عقیدہ بالجبر ثابت کر لیا تو تکلیف بالاعمال بھی جبر ہے۔ محدث ابن حزم جبریہ کے زعم کے مطابق ان کے دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ کی ذات فعال ہے اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کوئی چیز اس کی مثل و نظیر نہیں تو دوسرا کوئی شخص فعال نہیں ہو سکتا جبریہ کہتے ہیں۔“ افعال کی نسبت انسان کی طرف اسی طرح ہے جیسے کہا جائے:

”مات زید۔“ ”زید مر گیا۔“

”قام البناء۔“ ”عمارت قائم ہو گئی۔“

”حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مارا اور عمارت بھی اسی نے قائم کی۔“

### فرقہ جبریہ کا بانی و مؤسس

عقیدہ جبر اموی دور کے اوائل میں پھلا اور پھولا اور اس نے آخری دور میں ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ اس مذہب کا بانی و مؤسس جهم بن صفوان تھا۔

موسیٰ عہد کے دو جلیل القدر اہل علم و فضل بزرگوں نے اس کی مذمت میں خطوط لکھے جن میں سے ایک خط حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور دوسرا خط حضرت حسن بصریؒ کا تھا جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے :

### حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا خط بنام فرقہ جبریہ

اما بعد

تم دوسروں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دیتے ہو ۔ حالانکہ جب تقویٰ و پرہیزگاری کا تمہاری وجہ سے تمنا ہو گئے ۔ اور گنہ گار تمہاری وجہ سے رونا ہوئے ۔

اے اولادِ منافقین !

اے خالصوں کی پشت پناہی کرنے والو

تمہارے دم سے بدکاری کی مساجد آباد ہیں ۔

تم سب اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے ہو اور اپنے جرمِ اعلائیہ اللہ تعالیٰ پر تھوپ دیتے ہو ۔

### حضرت امام حسن بصریؒ کا خط بنام فرقہ جبریہ

حضرت امام حسن بصریؒ نے بصرہ کے جبریہ کے نام لکھا ۔ لکھتے ہیں :

اما بعد

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی قضاء و قدر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے جو اپنے گناہوں کا لہجہ اللہ تعالیٰ پر ڈال دے وہ بھی کافر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت مجبوری کی وجہ سے نہیں کی جاتی اور نہ ہی کسی سے مغلوب ہو کر اس کی نافرمانی کی جاتی ہے ۔

اس مالکِ حقیقی نے مالک بنا دیا ہے اور جو قدرتِ انسان میں پائی جاتی ہے وہ اسی کی وادعت کردہ ہے اگر وہ نیک اعمال انجام دیں تو ان کے افعال میں مداخلت نہیں کرتا اور اگر برائی کا ارتکاب کریں تو وہ ان کے افعال میں مغل ہو سکتا ہے اگر اس کی مشیت کا تقاضا ہو ۔

جب وہ کچھ نہیں کرتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ مخلوقات کو اطاعت پر مجبور کر دیتا تو ثواب کو ساٹھ کر دیا ہوتا اور اگر جبراً لگائے ہوں پر مجبور کرتا تو سزا کو موقوف کر دیتا اور اگر بے کار چھوڑ دیتا تو اس کی عدم قدرت کی دلیل ہوتی بلکہ مخلوقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جسے اس نے انسانوں سے پوشیدہ و پنهان رکھا ہوا ہے ۔ اگر وہ نیک اعمال کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اگر انسان برائی کا شیوہ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر تمام ہو جاتی ہے ۔ یہ خطوط اس حقیقت کے غماز ہیں کہ عبدِ سلف میں جبر کا عقیدہ رکھنے والے لوگ موجود تھے ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت امام حسن بصریؒ نے ان کی تردید فرمائی اور ان کو اصل حقیقت سے آگاہ و آشنا کیا ۔

علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والدِ گرامی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا :

”ابن عباسؓ! یہاں ایک قوم ہے جس کا دعویٰ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جبراً لگائے ہیں پر لگا رکھا ہے

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا :

”اگر مجھے پتہ چل گیا کہ ایسا کوئی آدمی یہاں موجود ہے تو میں اس کا ایسا گلا دلوں گا کہ اس کی روح نکل جائے ۔ یہ مت کہو کہ اللہ تعالیٰ نے لگائے ہوں کے ارتکاب پر انسانوں کو مجبور کیا ہے ۔ یہ کہنا بھی زیبا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے قطعی طور پر بے خبر ہے کہ بندے کیا کچھ کر رہے ہیں ۔“ (والسنت واللائل)

### جبریت کا عقیدہ یہودی ذہن کی پیداوار ہے

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ عقیدہ جبریت کا راسخ دور میں پیدا ہوا بلکہ عبدِ رسالت مآبؐ کے مشرکین بھی اس عقیدہ جبر کے قائل تھے ۔ جیسا کہ آغاز میں قرآن مجید کی آیت سے بیان کر چکے ہیں ۔

اموری دور میں اس عقیدہ کو مکمل مذہب کی شکل ملی اس کے انصار و اعوان تھے جو عقیدہ جبر کی طرف لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے اور مختلف مقامات

پر اس عقیدہ کی درس و تدریس ہوئی۔

۱۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس عقیدہ جبر کے اولین بانی یہود تھے انہوں نے وسوس کے ذریعے مسلمانوں میں پیدا کیا جس سے یہ آگے بڑھتا گیا یعنی بنیاد انہوں نے فراہم کی۔

۲۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ عقیدہ جبر کا موجد جعد بن درہم تھا جو مسلمان تھا اس نے شام کے ایک یہودی سے یہ عقیدہ جبر پر سنا اور اہل بصرہ میں جا کر اسے پھیلایا

پھر اس سے جہم بن صفوان نے سیکھا پھر حال اس کو مذہب کی شکل دینے والا اور اطراف کثافت میں پھیلانے والا جہم بن صفوان ہے اس وجہ سے اس کو بانی کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ عقیدہ جبر یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔ جس کا بعد رسالت مآبؐ میں آغاز ہو چکا تھا۔ کیونکہ ظالوت نای یہودی آپؐ کا معاصر تھا اور یہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک بغیر حیات رہا۔ جس کی وجہ سے یہ عقیدہ شکوک و شبہات کی صورت میں پھیلتا گیا۔

عقیدہ جبر کے نظریات اہل فارس میں بھی موجود تھے حضرت امام حسنؑ سے مروی ہے:

”کہ فارس کا ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”کہ میں نے دیکھا ہے اہل فارس اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو اپنے نکاح میں لاتے ہیں اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یونہی تھی“

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

”میری امت میں ایک ایسا فرقہ ہوگا جو اس کا قائل ہوگا اور یہ میری امت کے مجوس ہوں گے۔“

### جہم بن صفوان بانی و مؤسس فرقہ جبریت کے حالات

جہم بن صفوان جس نے عقیدہ جبر کو مذہب کی شکل دی یہ خراسانی الاصل اور بنی راہب کے موالیٰ میں سے تھا سب سے پہلے یہ شریح بن حارث کا کاتب تھا۔

مراس کے بعد شریح بن حارث سے مل کر نصر بن سيار کے خلاف خروج کیا مسلم بن احوزان نے بنی مروان کے آخری زمانہ میں اسے قتل کیا جہم بن صفوان نے خراسان کو دعوت کا مرکز دھجور بنایا تھا اس کے قتل کئے جانے کے بعد اس کے پیروکار نہایت میں مقیم تھے۔ پھر امام ابو منصور ماتریدی کا مسلک خراسان کے بلاد کے دیگر تمام مذاہب پر چھا گیا اس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ یہاں پر جہم بن صفوان کے دیگر عقائد کا تعارف کرانا خالی از قاعدہ نہ ہوگا

### جہم بن صفوان کے عقائد

جہم بن صفوان صرف عقیدہ جبر ہی کا بانی نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی اس کے عقائد میں خرافات تھیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اشیاء میں داخل نہیں سمجھتا تھا اور نہ یہ کہتا تھا اور اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان اوصاف سے متصف نہیں کرتا جن کا احاطہ حواشی پر ہو سکے

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قدیم نہیں بلکہ حادث تصور کرتا تھا اور اسی بناء پر وہ خلق قرآن کا قائل تھا

۳۔ وہ بروز قیامت دیدار الہی کا منکر تھا

۴۔ ایمان کا نام صرف معرفت کہتا تھا اور کفر کو صرف جمل کا نام دیتا تھا

۵۔ جنت و دوزخ آخر فنا سے ہمنام ہوں گے۔

کوئی چیز دائمی وابدی نہیں

قرآن مجید میں جس مخلوق کا ذکر ہے اس سے مراد طول مدت اور بعد فنا ہے دوام و بقاء نہیں۔

### سنی و جبری کا فرضی مناظرہ

حافظ ابن قیم اپنی کتاب شفاء العلیل میں سنی و جبری کے مابین ایک فرضی مناظرہ نقل کیا ہے اس سے ان کا مقصود بتانا یہ ہے کہ عقیدہ جبر کیا چیز ہے اور جبریت کس لئے شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ مناظرہ درج ذیل ہے



ذات کو کہتے ہیں جو جمیع صفات سال کی جامع ہو اور بندے خوف و رجاء ضروریات  
باجات اور جملہ امور میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

انبیاء کرامؑ جس عقیدہ توحید کو لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ یہی ہے کہ  
صرف ذات واحد کے سامنے جھکنا ہے اور اظہارِ غر و نیاز کرنا چاہیئے اس کی سعادت و  
رضیات کو بجا دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کرنا چاہیئے۔ بندہ کو چاہیئے کہ وہ  
اپنے مطلوب و مقصود پر اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو ترجیح دے۔

یہ تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کا خلاصہ ہے۔ اسی کے پیش نظر ثواب و  
عقاب کا اہتمام کیا اور اس کی تکمیل کے لئے شرائع و احکام کو مقرر کیا اگر نظریہ جبر  
عقیدہ بنا لیا جائے تو معنی ہو گا کہ بندے میں نہ فعل کی قدرت پائی جاتی ہے نہ اس  
میں فعل کا کوئی نشان ہوتا ہے اور نہ وہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے اس میں فعل کی  
قوت بھی نہیں پائی جاتی۔

لہذا اس کو حکم دینا بھی ایسے ہے۔ جیسے کسی بے بس انسان کو جو کچھ  
کرنے پر قادر ہی نہیں بلکہ یہ ایسے کاموں کے انجام دینے پر مامور ہے جن کی موجود اللہ  
تعالیٰ کی ذات ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کاموں کے انجام دینے کا  
حکم دیا ہے۔ اور اسے ان کی بند پر مجبور کیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اعمال کا  
مکلف و مامور بنا کر خود ہی اپنے امور و افعال کی انجام دہی میں حائل ہو بیٹھا۔ اور اب  
بندے کو ان سے روکتا ہے اور بندہ کسی طرح بھی ان پر قادر نہیں۔

تم یہ کہتے ہو کہ ہر گاہ خداوندی میں رسائی حاصل کرنا کسی طرح بھی ممکن  
نہیں۔ مجلسی الفت و مودت اور ذوق و شوق سے اس کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا  
حالانکہ توحید کا مفہوم عابد و معبود کے باہمی رابطہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ  
کی ذات محبوب و مودود نہیں ہے تو وہ الہ بھی نہیں ہو گا جس کی طرف قلوب انسانی  
شوق و محبت اور الفت و مودت کے ساتھ متوجہ ہوں۔ اسی طرح جب بندہ فاعل و  
عابد اور محب نہ ہو تو وہ عبودیت کی صفت سے عاری ہو جائے گا۔

۱ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نظریہ جبر تسلیم کرنے اور اس کی محبت کو نہ ماننے  
سے توحید ضائع ہو کر رہ جائے گی۔ تم خود اس کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ

## جبری کا اعتراض

”عقیدہ توحید کی محنت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے۔ جب جبریہ کے  
عقیدہ کو تسلیم کیا جائے اس لئے کہ اگر جبر کے نظریہ کو نظر انداز کر دیں تو یہ ماننا  
پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سواء حوادث کا فاعل کوئی اور بھی ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے تو  
افعال کو انجام دیتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ یقیناً خدائی شرک ہے جس سے بچاؤ کا واحد  
طریقہ یہ ہے کہ جبر کے عقیدہ کو تسلیم کر لیا جائے۔“

## اہل سنت کا جواب

”جبر کا نظریہ توحید کے معنی ہے اور احکام شریعت دعوتِ رسل اور ثواب و  
عقاب سے بھی ٹکراتا ہے اگر جبر کا عقیدہ تسلیم کر لیا جائے تو شرائع و احکام اور امر و  
نواہی اور ثواب و عقاب بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔“

## جبری کا اعتراض

آپ کا یہ کہنا نظریہ جبر امر و نہی اور ثواب و عقاب کے معنی ہے محل  
تعجب نہیں ہے کیونکہ لوگ پہلے سے کہتے چلے آئے ہیں۔ تعجب انگیز قول آپ کا  
نظریہ جبر معنی توحید ہے۔ حالانکہ نظریہ جبر عقیدہ توحید کا عظیم ترین منظر ہے پھر  
اس کے معنی کیونکر ہو سکتا ہے؟

## اہل سنت کا جواب

عقیدہ توحید تو کلمہ طیبہ میں بیان کیا گیا ہے :

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

”نظریہ جبر اس کے معنی ہے۔“

”وجہ منافات و تضاد یہ ہے۔“

بندے کو ایسے افعال کا حکم دیتے ہیں جن کے انجام دینے پر وہ قادر نہیں ہے اور ایسے کاموں سے روکتے ہیں جن سے وہ روک نہیں سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ بندے کو ناکرہ ممانہوں پر اسے عذاب بھی دیتا ہے یا یوں کہنے کے جو کام اس نے خود انجام دیئے تھے ان کی سزا بندے کو دیتا ہے۔

جبری عقیدہ کو ماتے والو! تم لوگوں نے خود اقرار کیا ہے کہ اوامر کی عدم

تعمیل اور منہیت کے ارتکاب پر سزا دینا یونہی ہے جیسے کسی انسان کو اس جرم کی سزا دی جائے کہ وہ اڑ کر آسمان تک کیوں نہ پہنچ گیا۔ یا اس نے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے منتقل کیوں نہ کر دیا اور دریاؤں کے پانی کو اپنی گزرگاہ پر بہتا ہوا کیوں چھوڑ دیا یا بندے کو ایسے فعل پر سزا دی جائے جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

مثلاً یہ فلاں چیز کا قتل مباح تھا یا چھوٹا کیوں ہے؟

یا فلاں چیز فلاں رنگ کی کس لئے ہے؟

اسے جبریوں تم خود صراحتاً کہتے ہو کہ جس شخص نے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی وہ اسے بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے اور یہ اس کی حکمت و رحمت کے مطابق بھی نہیں بلکہ جائز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ خود فرمائے کہ میں ایسا نہیں کرتا تو تم اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تمہارا قول ہے کہ بندے کو اعمال کا مامور و مکلف بنانا اسی طرح ہے جیسے اندھے کو لکھنے پر مجبور کرنا اور اپناج و معذور کو اڑنے کی ترغیب دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کو بھی اس عقیدہ کی دعوت دو گے وہ اللہ تعالیٰ سے معذور ہو جائے گا۔ اور مقام تعجب یہ ہے کہ تم اپنے خیال کے مطابق اس عقیدہ سے توحید خداوندی کا پرچار کر رہے ہو۔ حالانکہ اس سے تو توحید کا پودہ بیج و بن سے اکھڑ کر رہ جاتا ہے۔

عقیدہ جبر کا شرعی احکام کے مطابق ہونا بھی کھلی ہوئی بات ہے۔ شرائع و احکام اوامر و نواہی پر مبنی ہیں۔ یہ بات بڑی لغو ہے کہ حکم دینے والا اپنی ذات کو ہی کسی کام کا حکم دیتا ہے۔ اپنی ذات کو ہی ارتکاب فعل سے روکتا ہے۔ جب بندہ افعال کو انجام ہی نہیں دیتا تو اس سے طاعت و معصیت کا صدور کیونکر ہو گا بروز قیامت اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ و ثمرہ جنت و دوزخ کی صورت میں ملے گا۔

## جبریوں کا اعتراض

جب بندے سے کوئی حرکت صادر ہوتی ہے تو اس میں چار امکانات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ وہ حرکت بقدرت خداوندی صادر ہوتی ہے۔

۲۔ صرف بندے کی قدرت اس کی موجب ہے۔

۳۔ وہ فعل دونوں کی قدرت سے انجام پاتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں کی قدرت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

ان چاروں قسموں میں سے چوتھی قسم قطعی باطل ہے باقی تینوں قسموں میں سے ہر قسم کو علماء کا ایک گروہ درست تسلیم کرتا ہے۔ ہم جبریہ قسم اول کے قائل ہیں اسی کا نام جبر ہے۔

۲۔ دوسری قسم کو صحیح تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض اشیاء اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہیں لہذا اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء پر قدرت نہیں رکھتا اس کے برعکس عبد ضعیف کو ان پر قادر تسلیم کیا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات قدرت نہیں رکھتی۔ اس عقیدہ کی بناء پر فرقہ قدریہ نے عقیدہ توحید کو ترک کر دیا اور محجوں کی طرت ہو گئے۔

۳۔ اگر تیسری قسم کو صحیح تسلیم کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کی مجموعی قدرت سے افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں تو اس سے عبد و معبود کی شرکت لازم آتی ہے اور یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں کے درمیان شرم گیا یا ایک مقدر کے دو قادر اور ایک اثر کے دو موثر ہیں۔ اور یہ محالیت میں سے ہے۔

## محال ہونے کی وجہ

محال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو موثر جب مستقل طور پر ایک اثر پر جمع ہو جاتے ہیں تو اثر دونوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اسے کسی کی بھی ضرورت نہیں رہتی اس کے ساتھ ساتھ وہ دونوں کا محتاج بھی ہوتا ہے لہذا اس سے لازم آیا کہ ایک ہی چیز دوسری کی محتاج بھی ہے اور اس سے بے نیاز بھی۔

## اہل سنت کا جواب

شرعی دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قدرت خداوندی جمیع ممکنات کو حاوی ہے۔

”وہ ذات ہوں صفات ہوں یا افعال“

کوئی چیز قدرت خداوندی سے باہر نہیں۔ شرعی دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ بندہ اپنی قدرت و ارادہ سے اپنے کام انجام دیتا ہے یہ اس کے اپنے افعال ہوتے ہیں۔ جن کی بناء پر عقلاً عرفاً، اور شرعاً اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ اچھے افعال ہونے پر تعریف اور برے اعمال ہونے پر مذمت کی جاتی ہے۔ یہ فطرت خداوندی ہے جس پر اس نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔

دلیل سے یہ معلوم ہے کہ ایک عینی منقول کا صدور دو مستقل فاعلوں سے محال ہے اسی طرح ایک عینی اثر دو مستقل موثرین سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی دلیل سے ثابت ہے کہ حادث کا محدث کے بغیر عالم وجود میں آنا محال ہے۔

اسی طرح وجہ ترجیح کے بغیر کوئی چیز راجح نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل میں پہلے سے ثبت کر رکھے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ عقلی براین و دلائل میں نہ تعارض و تناقض ہوتا ہے نہ یہ باہم متضاد ہوتے ہیں۔ بلکہ تمام پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ ایک دوسرے کے حمد و معاون ہیں۔ ان میں تعارض و تناقض اس شخص کو نظر آتا ہے جس کی بصیرت کمزور ہو اگرچہ وہ بڑا کثیر الکلام ہو اور اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کی بھرمار ہو یہ ظاہر ہے کہ شکوک و شبہات کے علاوہ علم ایک جداگانہ چیز ہے۔ اسی وجہ سے خصوم و اعداء کے باہین تعارضات و تناقضات پیدا ہوئے۔

مسئلہ تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس قدرت و ارادہ سے حرکت کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے تفویض کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب بندے سے کسی فعل کو صادر کرنا چاہے تو اس میں اس فعل کی قدرت اور اس کا داعیہ پیدا کر دیتے۔ نیز اس صورت حال میں بندے کے فعل کو اس کی طرف اس طرح منسوب کیا جاتا ہے جیسے سبب و مسبب و غف۔

اس کی نیت قدرت خداوندی کی طرف اس طرف کی جاتی ہے جیسے مخلوق کی اہل کی طرف اس سے ثابت ہوا کہ ایسے مقدور کا وقوع دو قادرین سے منع نہیں جس میں ایک قدرت دوسرے کی قدرت کا نتیجہ و اثر ہو۔ یہ سبب کا ایک جزو ہے اور دوسرے کی قدرت مستقل باسماثیر ہے۔ اسے مقدور بین قادرین کے الفاظ سے تعبیر کرنا مبنی بر فساد و فریب ہے کیونکہ یہ نظریہ رکھنے سے وہم پڑتا ہے کہ شاید انہوں قادر قدرت میں مساوی ہیں۔

مثلاً۔ جس طرح تم کہتے ہو:

”یہ کپڑا دو آدمیوں کی ملکیت ہے۔“

یا ”اس گھر کی ملکیت میں دو آدمی شریک ہیں۔“

حقیقت بات یہ ہے کہ مقدور قدرت حادثہ کے باعث اسی طرح وقوع پذیر ہوتا ہے جیسے مسبب سبب کی بناء پر معرض ظهور میں آتا ہے۔

سبب و مسبب اور فاعل و آلہ یہ سبب قدرت کے اثرات ہیں اور قدرت خداوندی تمام ممکنات پر حاوی اور مشتمل ہے۔ کوئی چیز دنیا میں مستقل باسماثیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور اس کی قدرت و مشیت کی کرشمہ سازی ہے۔ جو شخص ان حقائق ثابت کو تسلیم نہیں کرتا اسے اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے یا یہ کہ اس کائنات ارضی میں ایسی مخلوق بھی موجود ہے جس کا کوئی خالق نہیں۔

## جبریوں کا اعتراض

متکبرین تقدیر کی رائے میں کافر کی جہالت و ضلالت اور کفر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کے ایجاد و اختیار سے وجود میں آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ محالات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر کا ارادہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کام اپنی مرضی سے انجام دیا جائے اس میں قصد و ارادہ کا ہونا ضروری ہے جو محالات میں سے ہے اس لئے کہ کوئی عاقل بذات خود ضلالت و جہالت اور کفر کا ارادہ نہیں کرتا لہذا وہ اس کا فاعل اختیار ہی نہیں ہو سکتا۔

## اہل سنت کا جواب

سے عقیدہ جبر کے معتقدین !

مقام قیوب ہے کہ تمہارے نزدیک بندہ کفر و ظلم کا مرتکب نہیں ہو سکتا اس کے عین برخلاف تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ یہ سب کام انجام دیتا ہے ۔ (یہ کھلا ہوا تضاد و تعارض ہے) تمہاری یہ بات بھی بڑی قیوب انگیز ہے کہ کوئی عاقل اپنے لئے کفر و ظلم کو پسند نہیں کرتا حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ بہت سے لوگ حسد و بغض کی بناء پر حق آگاہ ہونے کے باوجود کفر و ضلالت کو اختیار کرتے ہیں ان کے منقذیات کی پیروی کرتے اور ہدایت و رشد کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ وہ طریق ضلالت پر رواں دواں اور راہ ہدایت کو دانت ترک کر دیتے ہیں ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

”جو بلا وجہ اس کائنات ارضی میں تکبر کرتے ہیں میں انہیں اپنی آیات سے پھیر دوں گا وہ تمام آیات کو بھی دیکھ لیں ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور راہ ہدایت کو دیکھ کر اس پر چسنے کی کوشش نہیں کریں گے ۔ البتہ وہ سرکشی و بغاوت کی راہ دیکھ کر اس پر گامزن ہو جاتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ۔ اور ان سے غافل ہیں ۔“

قرآن مجید کی دیگر بہت سی آیات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کفار و مشرکین نے جان بوجھ کر کفر و ضلالت و شرک کو اختیار کیا تھا اور دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کفر و شرک ، ضلالت و تاریکی کو رشد و ہدایت سمجھ کر انجام دیتے ہیں ۔ مندرجہ بالا مظاہرہ فرضی سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریوں کے ممکنہ اشکالات کا رد کر دیا گیا ہے اور واضح ہو گیا ہے کہ صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے جو عقلاً شرعاً درست ہے ۔ اس مظہرہ کو علامہ ابن قیم نے اسی لئے نقل کیا ہے تاکہ جبریوں کے ممکنہ شکات کو رد کر کے اہل سنت کے موقف کو واضح کر دیا جائے ۔ تاکہ آئندہ مسلمانوں کی نسلیں گمراہ و آشنا ہو سکیں ۔

فرقہ قدریہ اور مسئلہ تقدیر

فرقہ قدریہ کے مسئلہ تقدیر پر اشکالات و اوہام کو بیان کرنے سے پہلے ۔ ہو گا کہ فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے تاکہ معلومات میں اضافہ دے ۔ قدریہ کا نظریہ جبریت کے بالکل برعکس ہے ۔

جبریت انسان کو مجبور محض سمجھتے تھے اور ان کے برعکس قدریہ انسان کو مختار مانتے ہیں گویا تقدیر کا انکار کر دیا اسی لئے تقدیر کا انکار کرتے ہوئے معبد بن الجہنی نے کہا :

”تقدیر وغیرہ کچھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حواش کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ وقوع میں آتے ہیں ۔“

اس تردید کا اصل مقصد ازلی علم و ارادہ کی نفی کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ مافی افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دائرہ سے باہر ہیں ۔

## قدریہ کی وجہ تسمیہ

بعض مؤرخین نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ متکثرین تقدیر ہونے کے باوجود ان کو قدریہ کیوں کہا جاتا ہے ۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک قدریہ کا نام ان کے عقیدہ کے برعکس طنزاً رکھا گیا ہے بعض مؤرخین کے نزدیک ان کو قدریہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے تقدیر کی نفی کر کے اسے بندے کے لئے ثابت کرتے ہیں ۔ ان کا مرکزی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ ہر چیز انسان کے ارادہ و قدرت کی تابع ہے گویا ان کے نزدیک انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے ۔

بعض علماء کے نزدیک قدریہ کے عقائد و نظریات محسوس کے خیالات و نظریات سے قریبی مماثلت رکھتے تھے ۔ محسوس خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے اور شر کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتا ۔

## فرقہ قدریہ کا بانی و مؤسس

معبد بن خالد الجہنی تقدیر کا منکر تھا اور اس نے اپنے نظریات کی عراق

وزاعیؒ: اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے غیلان دمشقی کا فرار سننے اس کی  
زادی -

ہشام بن عبدالملک نے امام اوزاعیؒ سے کہا -  
”ان تینوں سوالات کی خود وضاحت کیجئے -“  
وزاعیؒ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ جس بات سے روکتے ہیں اسے انسانی تقدیر میں پہلے سے لکھ  
ن رکھتے ہیں - مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت کے ایک مخصوص درخت کا  
سل کھانے سے منع کیا - اس کے پہلو پہ پہلو ان کی تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ وہ یہ  
سل کھائیں گے چنانچہ انہوں نے یہ پھل کھا لیا -  
- کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ حکم دے کر اس میں حائل بھی ہو جاتے ہیں  
ن کی مثال یہ ہے کہ:

”ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرے پھر اللہ تعالیٰ خود ہی حائل  
ہو گئے -“

۱- کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو حرام قرار دے کر پھر ان کے  
استعمال کرنے میں بندوں کی مدد بھی کرتے ہیں - مثلاً:  
”مرور، خون، خنزیر کو حرام ٹھہرایا -“

پھر اضطراری صورتوں میں ان کے استعمال کی اجازت بھی دی - امام اوزاعیؒ بہت  
بڑے عالم و فاضل اور محقق تھے جنہوں نے غیلان و دمشق پر سوالات کر کے جکڑ لیا -  
اگر وہ جواب دے بھی دیتا تو اس کے خلاف جانے اس وجہ سے اس نے خاموشی  
میں اپنی خیر سمجھی وہ بھی اس کے لئے وبال جان بن گئی -

غیلان و دمشق کے قتل ہو جانے کے بعد یہ مذہب (قدری) بصرہ میں  
صدیوں تک رہا - جس پر لوگ عمل کرتے رہے - ان کے بارے میں یہ بھی کہا  
جاتا ہے کہ یہ مذہب معتزلی کے ساتھ بھی تعلق رکھتا تھا -

قدری اور سنی کا مناظرہ

میں خوب ترویج و اشاعت کی اور غیلان و دمشق بھی اس نظریہ کا حامل تھا اس -  
اپنے نظریات کی شام میں ترویج و اشاعت کی - ان دونوں کو قدریہ کا بانی و مؤسس کہ  
جاتا ہے - کیونکہ ان دونوں کی ترویج و اشاعت سے قدریہ مذہب کی شکل اختیار کر گئی  
اور ان کے کافی حامی پیدا ہو گئے -

غیلان و دمشق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بمعصر ہے اس نے آپؒ کی  
طرف خطوط بھی لکھے جس میں اس نے تقدیر کی تردید کی تھی -

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو مناظرہ کے لئے بلایا تو آپؒ نے ان  
براہین و دلائل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں - جس سے وہ تقدیر کا قائل ہو گیا کچھ  
عرصہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا - وصال کے بعد غیلان و دمشق  
دوبارہ قدری یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا دوبارہ منکر ہونے کے بعد اس نے اپنے نظریات  
خیالات کی از سر نو پھر نشر و اشاعت کرنا شروع کر دی -

فارس و خراسان کو اس نے مسکن بنا لیا اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے  
غیلان و دمشق کو مناظرہ کے لئے طلب کیا کہ وہ امام اوزاعیؒ سے مناظرہ کرے لہذا  
امام اوزاعیؒ نے غیلان و دمشق سے مناظرہ کیا جو تاریخ کی کتب میں کچھ اس طرح درج  
ہے - امام اوزاعیؒ نے غیلان و دمشق سے مخاطب ہو کر فرمایا:

امام اوزاعیؒ: ”یہ بتائیے اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے کیا پہلے ان کا  
فیصلہ کر رکھا ہے یا نہیں؟“  
غیلان نے کہا: مجھے معلوم نہیں -

امام اوزاعیؒ: اب یہ بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم دے کر اس میں حائل  
بھی ہو جاتا ہے؟  
غیلان و دمشق: ”نہیں معلوم نہیں -“

امام اوزاعیؒ: ”جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان میں سے کسی کی  
مدد تو نہیں؟“  
غیلان و دمشق: ”نہیں؟“

کما کہ یہ بات تین دو باتوں سے بھی مشکل ہے لہذا یہ نہیں  
جاتا -



علامہ ابن قیم اپنی کتاب "شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمہ والتعلیل" میں سنی اور قدری کے مابین ایک فرضی مناظرہ نقل کیا ہے۔ جس میں قدریوں کے ممکنہ اعتراضات کے جوابات سنہوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلک اہل سنت ہی عقلاً و شرعاً درست ہے اس مناظرہ کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

قدری: اللہ تعالیٰ نے اعمال کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ نسبت بھی نام ہے اور خاص بھی۔ بعض مقامات پر استطاعت کے نقطہ نگاہ سے افعال کو بندوں کی طرف منسوب کیا۔ مثلاً قرآن میں ہے:

مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ - النساء: ۵: ۲۵  
"جو شخص تم میں سے پاکدامن اور مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت نہ رکھتا ہو۔

۲۔ بعض جگہ مشیت کے اعتبار سے افعال کو بندوں کی طرف منسوب کیا:

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ -

"تم میں سے جو سیدھا رہنا چاہے۔"

۳۔ کبھی ارادہ کی بناء پر جیسے حضرت خضر کا قول:

فَارِدْتَ اَنْ اَعِيْبَهَا -

"میں نے اسے عیب دار کر دینا چاہا۔"

۴۔ کبھی فعل و کسب اور صنعت کے اعتبار سے:

يُصَاكُنْتُمْ تُكْسِبُوْنَ - لِيَسْئَلْ مَا كَانُوا يَصْنَعُوْنَ -

۵۔ نسبت خاص سے مراد ایسے افعال کو بندوں کی طرف منسوب کرنا جیسے نماز، روزہ، حج، طہارت، زنا، سرقة، قتل، کذب، کفر، فسق اور دیگر افعال۔ ان افعال کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ان کو صرف بندوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں۔

مباری ان باتوں میں حق و باطل دونوں کی آمیزش ہے بے شک افعال کی نسبتوں کی طرف کرنا درست ہے۔ مگر یہ بات مکر و فریب پر بھی مبنی ہے کہ بندوں کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نہیں کی جاسکتی۔

اگر ان افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ افعال ان ذات کے ساتھ وابستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے ساتھ مقف نہیں۔ ان افعال کے احکام اللہ تعالیٰ پر ہمارے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان سے مشتق اسما کا اطلاق ان پر درست ہے۔ تو یہ بات صحیح ہے اور یہ افعال وجود و اعتبارات میں سے کسی وجہ کی بناء پر بھی اس کی طرف منسوب نہیں کئے جا

اگر ان افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کے علم مقدر و مشیت عامہ اور تخلیق کی طرف بھی مضاف نہیں تو یہ سراسر باطل ہے جب بظان یہ ہے کہ افعال کا صدور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔

۱۔ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اکتساب کی نسبت بندے کی طرف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عمل کے آلات و قوی کے ساتھ ساتھ نفس عمل سے بھی نوازا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"قوت عمل کو بازو اور کلام و زبان کی طرف اسی طرح منسوب کیا جاتا ہے جیسے قوت سامعہ کو کانوں اور قوت باصرہ کو آنکھوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی طرح کلام اور قوت اخذ و بطش کی نسبت ان کے مصادر و مآخذ کی طرف کی جاتی ہے۔"

اب آپ خود بتائیے!

کہ آیا قوی کے یہ مصادر و مآخذ قوی بنفسا اور دیگر اسباب روت و ساعت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ یا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم و مال کی کرشمہ سازی ہے جو اس کائنات عالم کی تمام اشیاء کو وجود میں لائی۔

قدری: اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے افعال کا خالق ہوتا تو اس کے اسماء بھی ان

بصری سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ منہاج کا مرتکب نہ مومن رہتا ہے  
- نہ کافر ہو جاتا ہے - بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان ہوتا ہے -  
حضرت امام حسن بصریؒ نے فرمایا :

«لَا اعْتَرِزُوا»

یعنی یہ لوگ اجماع اسلام سے کنارہ کش ہو گئے - اس وجہ سے ان کا نام  
محترکہ پر کیا -

اور آپ نے اسے اپنے حلقہ درس سے دور کر دیا فرمایا اعتزل عنا  
ہم سے دور ہو جاؤ واصل بن عطاء نے اپنے نظریات و افکار کی خوب اشاعت کی  
بلکہ اپنے نظریات کو مذہب کی صورت میں پیش کیا روایت میں ہے کہ جب  
حضرت امام حسن بن حباب معاویہؒ کی خواہش اور بار بار اصرار اور مسلمانوں کو عظیم  
جنگ سے بچانے کے لئے خلافت سے دستبردار ہوئے تو اصحاب علیؒ کی ایک  
جماعت سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئی اور اس کی سرگرمیاں صرف عقائد  
تک محدود ہو کر رہ گئیں یہ گروہ محترکہ تھا جنہوں نے حضرت امام حسنؒ سے  
اس لئے کنارہ کشی کر لی تھی کہ انہوں نے خلافت سے دستبرداری کیوں کی ہے  
؟ اس وجہ سے یہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر صرف عقائد کی سرگرمیوں میں  
مصروف ہو گئے اور انہوں نے اپنے افکار و نظریات کی خوب اشاعت کی -

### محترکہ کے اصول خمسہ

اب ہم محترکہ کے نظریات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کے نظریات  
سے آگاہی حاصل ہو سکے موزنین کے نزدیک محترکہ کے اصول خمسہ مندرجہ  
ذیل ہیں -

(۱) توحید (۲) وعد و وعید (۳) کفر و اسلام کی درمیانی منزل کا اقرار (۴) عدل (۵)  
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر -

اب ہم ایجاز و اختصار کے ساتھ ان پانچوں پر روشنی ڈالتے ہیں -

افعال سے مشتق ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ نام تجویز کرنا اولیٰ و افضل ہوتا  
تائین تقدیر کے نزدیک فاعل حقیقی کے اسماء ان افعال سے مشتق نہیں یہ عقل و  
منطق اور عرف و لغت کی عین خلاف ورزی ہے -

سنی : بندہ حقیقتاً اپنے افعال کا فاعل ہے - اللہ تعالیٰ نے افعال اور ان کے ظاہری  
باطنی آلات کو پیدا کیا - باقی رہا اسماء کا مشتق کرنا تو یہ اس کے لئے مشتق کئے جاتے  
ہیں - جو ان کا فاعل ہوتا ہے - مثلاً سارق، زانی کے اسماء کا اخلاق بندے پر کیا  
جائے گا کیونکہ وہی یہ سارے کام سرانجام دیتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل کا قیام  
جب فاعل کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی فاعل کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ غیر کی  
طرف - اسی طرح فعل سے فاعل کے لئے نام اخذ کئے جاتے ہیں کسی اور کے لئے  
نہیں -

قدری : اگر اللہ تعالیٰ افعال کا خالق ہوتا تو سب امور و افعال اللہ تعالیٰ کی ذات  
کے ساتھ وابستہ ہوتے - یعنی شرور و قبل الخ کی نسبت بھی لازم آتی ہے -

سنی : یہ بے بنیاد و غلط دعویٰ ہے - اللہ تعالیٰ نے بندے میں جن افعال کو پیدا کیا  
ہے ان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء مشتق نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے احکام اس کی  
طرف منسوب کئے جاسکتے ہیں - افعال سے انسان کے اسماء مشتق ہوں گے کیونکہ  
افعال کا قیام انسان کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے تو لاتعداد اشیاء مثلاً رنگبائے مختلف  
خوردنی شیاؤں اور حرکات و سکنات کو بھی پیدا کیا ہے - مگر ان سے اس کے اسماء  
نہیں مشتق نہیں اور نہ ان کے احکام اس کی طرف لوٹتے ہیں - احکام کے لوٹنے  
- مراد یہ بتانا ہے کہ وہ کھرا ہوتا، بیٹھتا، اٹھاتا پھرتا ہے -

### محترکہ کی تاریخ

اس فرقہ نے اموی عہد میں بال و پر نکالے اور عباسی دور خلافت

میں عرصہ دراز تک اسلامی فکر پر حاوی رہا

بانی و مؤسس : اس فرقہ کا بانی و مؤسس واصل بن عطاء تھا یہ امام حسن بصریؒ  
کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا - اس نے دوران درس حضرت امام

## توحید

حضرت امام ابوالحسن اشعری اپنی کتاب مقالات الاسلامیین میں توحید کے بارے میں معتزلہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں -

اللہ تعالیٰ ایک ہے - نَیْسُ کُمِثْلَ شَیْءٍ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (۳۲:۱۱)  
 نہ وہ جسم رکھتا ہے نہ کاہد نہ اس کا جثہ ہے نہ صورت، خون بھی نہیں  
 گوشت بھی نہیں نہ جوہر ہے نہ عرض - نہ اس کا کوئی رنگ ہے نہ ذائقہ نہ  
 خوشبو اسے چھوا بھی نہیں جاسکتا نہ اس میں حرارت ہے نہ برودت - نہ  
 رطوبت نہ ہیوست نہ طول - نہ عرض نہ عمق - نہ اس میں اجتماع ہے نہ  
 اشتراق، نہ متحرک نہ ساکت، نہ اس کے الگ الگ اجزاء ہیں - وہ جوارح  
 و اعضا، بھی نہیں رکھتا - وہ ذی جہات بھی نہیں نہ اس کا کوئی دایاں ہے نہ  
 بائیں - نہ آگ ہے نہ پتھرا، اوپر بھی نہیں، نیچے بھی نہیں، کوئی مکان اس کا  
 احاطہ نہیں کر سکتا، زمانہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتا - وہ جدا بھی نہیں اور ملا  
 ہوا بھی نہیں - نہ وہ امکان میں حلول کرتا ہے - نہ کسی ایسے وعف سے  
 مستغف نہیں کیا جاسکتا جو خلق میں پائے جاتے ہوں - اور حادث و قاتی ہوں -  
 نہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فنا ہی ہے - اسے ناپا بھی نہیں  
 جاسکتا وہ مختلف جہات میں سایا ہوا نہیں - محدود بھی نہیں - نہ کسی کا باپ  
 نہ بیٹا - تقدیریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں - پردے اسے مستور نہیں  
 کر سکتے وہ حواس کے اور اک سے بالا ہے - اسے لوگوں پر قیاس نہیں کیا جا  
 سکتا - وہ مخلوق سے کسی طرح مماثلت نہیں رکھتا - نہ اس پر آفات کا نزول ہو  
 سکتا ہے نہ مصیبتیں اسے گھیر سکتی ہیں - ہر وہ بات جو تصور میں آسکتی ہے،  
 ہر وہ تصور جو وہم میں آسکتا ہے اس کی مشابہت سے ماوراء ہے

وہ اول ہے - سابق - مقدم ہے - مخلوقات سے ماتل موجود ہے  
 وہ عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے، نہ اسے آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ بینائی اس کا  
 اور اک کر سکتی ہے - ادھام اس کا احاطہ نہیں کر سکتے - سماعت اسے سن  
 نہیں سکتی، صرف وہی قدیم ہے اور کوئی قدیم نہیں - وغیرہ وغیرہ (مقالات

## المعتزلہ (۲۱۷)

## معتزلہ کے عقیدہ کے نتائج

معتزلہ انہی اصول کے پیش نظر قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کو  
 محال سمجھتے تھے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور جہت لازم آتی ہے -  
 یہ صفات ذات سے غیر نہیں ورنہ تعدد قدماء لازم آئے گا اسی پر بنیاد رکھتے  
 ہوئے، قرآن مجید کو مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ وہ کلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار  
 نہیں دیتے تھے مسئلہ خلق قرآن پر بہت مباحث ہوئے -

## ۲- عدل

مورخ شیدا السعدوی مروج الذهب میں عدل کا معنی بیان کرتے  
 ہوئے لکھتے ہیں :

"اس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ فساد کو نہیں چاہتا نہ افعال العباد کو  
 پیدا کرتا ہے لوگ اللہ تعالیٰ کے امر کو بجالاتے ہیں اس کے منہیات سے  
 رک جاتے ہیں - اللہ تعالیٰ وہی حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے - اور اسی  
 بات سے روکتا ہے جسے برا سمجھتا ہے - ہر نیکی جس کا نہ ملے حکم، یا اس  
 کے نزدیک پسندیدہ ہے - وہ برا نہیں سمجھتا - اس سے روکا ہے -  
 وہ بندہ کہ اس کی نافرمانی کرے - یا اسے تکلیف میں نہیں دانتا نہ ان سے وہ کام لیتا  
 چاہتا ہے جس کی وہ قدرت میں رہتے - کوئی شخص بھی رزق کھولنے اور بند  
 کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتا بجز اس قدرت کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے  
 بندوں کو مرحمت فرمائی ہے -

وہ ہر چیز کا مالک ہے - جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے - وہ اگر  
 چاہتا تو مخلوق کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا تھا اس کی اگر مرضی نہ ہوتی تو کبھی  
 بھی لوگ مصیبت میں نہ بھٹکتے - بے شک اس پر قادر تھا لیکن اس نے  
 ایسا نہیں کیا - اگر ایسا کرتا تو پھر بندوں کی آزمائش نہ ہو سکتی -"

## معتزلہ کے عقیدہ عدل کے نتائج

معتزلہ ابن اصول پر بندے کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خالق افعال کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظریہ تھا کہ عجز سے منزہ رکھا جائے خالق ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں بندوں کو شریک کرنا شرک ہے لہذا اللہ تعالیٰ کو عجز سے منزہ کرتے ہوئے معتزلہ دوسری طرف شرک میں گرفتار ہو گئے۔

### ۳۔ وعدہ و وعید

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ وعدہ و وعید الاحوال وقوع پذیر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے جو ثواب کا وعدہ کیا اور جو سزا کی دھمکی دی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس نے جو نقصان توہ کی تہنیت دیا ہے وہ بھی پورا ہو گا۔ نیک کام کرنے والا جزا پائے گا، اور بدکار سزا پائے گا۔

کبار بلا تو یہ معاف نہیں ہوتے نہ نیکی کرنے والا جزا سے محروم رہتا ہے اس سے ان کا مقصد فرقہ مرجئہ کے عقائد کی تردید کرنا تھا جن کا نظریہ یہ کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا جس طرح ضرر سے ہوتے ہوئے طاعت و عبادت کا کوئی فائدہ نہیں اگر فرقہ مرجئہ کی یہ بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی وعید بے اثر ہو جاتی

### کفر و اسلام میں درمیانہ درجہ

معتزلہ کے اس نظریے کی توجیہ کرتے ہوئے شہرستانی لکھتے ہیں اصل بن عطاء کا قول تھا کہ ایمان عبارت ہے، افعال خیر سے جب یہ کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ مومن ہے اور مومن ایک تو صغی نام ہے چونکہ فاسق میں اتصال خیر کبھی جمع نہیں ہوتے۔ لہذا وہ تو صغی نام کا مستحق نہیں پس اسے مومن بھی نہیں کہا جائے گا۔ مگر اسے علی الاطلاق کافر بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ کلمہ شہادت کا قائل ہے اور دوسرے اعمال خیر بھی اس میں

وجود ہیں۔ جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر وہ دنیا سے اس طرح نصبت ہو کہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو چکا ہو اور توبہ نہ کی تو وہ دوزخی ہے۔ اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ آخرت میں صرف دو ہی فریق ہوں گے ایک فریق جنت میں ہو گا اور دوسرا جہنم میں۔

البتہ اس کے ساتھ کچھ رعایت کی جائے گی کہ عذاب کچھ کم کر دیا جائے گا اور اسے کافروں سے ایک درجہ کم رکھا جائے گا۔

### امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف نہی عن المنکر تمام مومنوں پر واجب ہے۔ تاکہ باطل کا مقابلہ کیا جائے اور حق کو پھیلایا جائے۔ اب ہم معتزلہ کے مندرجہ بالا عقائد کے طرز استدلال کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

### عقائد میں معتزلہ کا طرز استدلال

عقائد میں معتزلہ نقلی دلائل و براہین کی بجائے عقلی دلائل و براہین پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ وہ اپنے مسائل کو عقل پر پیش کرتے پھر جسے عقل باقی اسے قبول کر لیتے ورنہ اسے رد کر دیتے اس انداز فکر کے محرکات و اسباب یہ تھے:

۱۔ یہ لوگ زیادہ عراق اور فارس میں یود و باش رکھتے تھے جہاں قدیم مذہب و تمدن کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

۲۔ ان میں غیر عربی عنصر بہت زیادہ شریک تھا جن میں زیادہ تر موالی تھے۔

۳۔ یود و نصاریٰ سے گھلے ملے رہتے تھے جنہوں نے فلسفیانہ افکار کو عربی زبان کا جامہ پہنایا تھا اس لئے وہ عقلی دلائل سے کام لینے کے عادی ہو گئے تھے۔

## عقل پرستی

آثار عقلی پر اعتقاد و یقین کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ معتزلہ اشیاء کے حسن و قبح کا فیصلہ از روئے عقل کیا کرتے تھے ان کا کہنا تھا۔

”سب معارف (عقائدی مسائل) عقل سے سمجھے جاسکتے ہیں۔ اور واجب۔ ہے کہ عقل ہی سے ان میں غور کیا جائے۔ مثلاً وحی کے وارو ہونے سے پہلے ہی معلوم تھا کہ حسن کا ٹکراؤ کرنا ضروری ہے۔ حسن و قبح حسن اور قبح کے دو ذاتی صفات ہیں۔ مشہور معتزلہ علامہ جہاں کا قول ہے۔

”ہر وہ مصیبت جس کے متعلق عقل پہ سمجھتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو یہ امر کرنا چاہیے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کر دیا ہو تو وہ بھی ای کی وجہ سے قبح قرار پائے گا۔ نص پر اعتقاد نہیں کرتے تھے۔ جب عقیدت کا غلبہ ہو جائے تو اس کا نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ گمراہ ہو جاتا ہے لہذا عقل کو کل دین تسلیم کرنا گمراہی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بالخصوص مسئلہ تقدیر عقلی اور فلسفیانہ سوچنا نہیں۔ سے حل ہونے والا عقدہ نہیں ہے اس پر جتنا ہی احتیاط سے کام لیا جائے اسی قدر ایمان و عمل کے لئے بہتر ہے۔

## معتزلہ کی افراط و تفریط اور بعض مسائل میں گمراہیوں کا تعاقب

نیمری صدی ہجری کے آخر میں دو بزرگوں نے بڑا نام پایا جو معتزلہ کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور ان کے عقائد فاسدہ و باطلہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں یہ ہیں۔

۱۔ امام ابو الحسن اشعری۔

۲۔ امام ابو منصور ماتریدی۔

اب ہم ایجاز و اختصار کے ساتھ ان دو بزرگوں کے حالات لکھتے ہیں تاکہ قارئین ان کی خدمات سے آشنا و آگاہ ہو سکیں۔

## امام ابو الحسن اشعری

امام ابو الحسن اشعری ۳۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۴۳۰ھ تک جنگ و فسادات پائی یعنی سترہ سال کے قریب عمر پائی۔ آپ معتزلہ کے عصر ابو علی جہاں کے شاگرد تھے۔ کمال درجہ کی فصاحت و بلاغت کے مالک شروع شروع میں معتزلہ عقائد کے حامی تھے لیکن تحقیق و ریسرچ کرنے پر معتزلہ عقائد سے برأت کا اظہار کر دیا معتزلہ کے عقائد و نظریات کے رسنے کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جمعتہ المبارک کے خطبہ میں برسر منبر علہ عقائد سے برأت کا اعلان کیا اور ان کے عقائد و نظریات کی دھجیاں بکھیر رکھ دیں۔ امام ابو الحسن اشعری اپنی تصنیف لطیف الالبانیہ کے مقدمہ میں اپنے مسلک و مہج کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے معتزلہ پر مندرجہ ذیل منہ ضات وارد کئے ہیں۔

”امجد۔ بہت سے معتزلہ و تدریہ اپنی خواہشات کی بناء پر اپنے ہمیشہ رو کار فی تقلید کرتے ہیں وہ قرآنی آیات کی تاویل منشاء شریعت کے خلاف کرتے ہیں ان کی یہ تاویل و تفسیر احادیث رسول، ائمہ و سلف صالحین کے اقوال کے خلاف ہوتی ہے یہ روایت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔

حالانکہ روایت بالابصار کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے روایات نقل کی ہیں۔ معتزلہ ان روایات کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایات مختلف الجہات اور متواتر ہیں معتزلہ شفاعت نبوی کے بھی منکر ہیں اس کے علاوہ کفار کے عذاب قبر کے بھی منکر ہیں حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے جس پر سب صحابہ و تابعین متفق ہیں۔ معتزلہ کا عقیدہ خلق قرآن سے متعلق ان مشرکین عرب کے افکار سے میل کھاتا ہے جو قرآن مجید کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ:

”اِنَّ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔

یہ تو بس ایک انسان کا کلام ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید انسانی کلام ہے جس طرح مجوس کے نزدیک خالق دو ہیں۔ ایک خالق صغیر اور دوسرا خالق کبیر۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا نہیں اور نہ ہوتا ہے۔



وہ اسے چاہتا نہیں۔ بخلاف انہیں جمہور مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی چیز عالم وجود میں آتی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہوتی ہے۔ بدوں مشیت کوئی چیز مصدقہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہو سکتی۔ وغیرہ وغیرہ:

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ محفل کے عقائد و نظریات کو نقل کر کے ان کی یوں تردید فرماتے ہیں ہم کتاب و سنت کی پیروی کرتے اور ان اقوال و آثار سے تمسک کرتے ہیں جو صحابہ تابعین اور ائمہ حدیث سے مقبول ہیں ہم امام احمد بن حنبلؒ کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہیں اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے آمین۔ ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مخالفین کے اقوال سے احتراز کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ ہی امام فاضل اور رئیس کامل تھے۔ جب کفر و ضلالت کا چرچا ہوا تو آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح فرمایا۔ بدعتین کی بدعات کا استیصال کیا کج رویوں کی کج روی دور کی جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا اللہ تعالیٰ اس امام جلیل اور عالم نبیل پر رحم فرمائے اور سب ائمہ کرام پر باران رحمت برمائے آمین

امام ابوالحسن اشعریؒ کا یہ بیان اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے سرگرم و فہم و دانشور و اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور انہی کے مقلد ہیں آپ فرماتے ہیں ہم اس کے کام کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کن کہنے سے عالم وجود میں آجاتی ہے دنیا کی ہر چیز بغیر ہوا یا شیر اس کی مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جملہ اشیاء کی یہی حالت ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے پہلے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ نہ ہم اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں اور نہ اس کے دائرہ علم سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اس کے سواء کوئی خالق نہیں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔ بد سے کسی چیز کو پیدا

نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

وَمَنْ يَخْلُقْكُمْ غَيْرِ شَيْءٍ اِلَّا مَعَهُ الْخَالِقُونَ۔

ایسی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عبادت و

ریاست کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عین عنایت ربانی ہے۔ اگر وہ صالح بناتا ہے تو سب صالح ہو جاتے ہیں اور اگر بدایت سے بہرہ ور کرتا ہے تو بدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَمْ يَهْتَدِ

ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ خیر ہو یا شر، تغ ہو یا شیریں۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ و آشنا ہیں۔ کہ جو تکلیف ہمیں پہنچی وہ ملنے والی نہ تھی اور جو مصیبت رفع ہو گئی وہ ہم پر آنے والی نہ تھی۔

۱۔ ہم قرآن مجید و اللہ تعالیٰ کا کام اور غیر مخلوق مانتے ہیں۔ ہماری نظر میں خلق قرآن مجید ۵ حصہ ۵ حصے والا ہوا ہے۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح امتحان کرے گا کہ جو مومن اس زیارت سے مشرف ہوں گے۔ کفار اس زیارت سے محروم رہیں گے۔

۳۔ ہم گناہوں کی بناء پر اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ مثلاً زنا کاری، چوری، اور شراب نوشی وغیرہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص محرمات کی تحلیل کر کے ان کا مرتکب ہوتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یعنی جو شخص حرام کو حلال سمجھ کر کرے وہ کافر ہو جائے گا۔

۴۔ شفاعت رسول برحق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن شفاعت کبریٰ پر فائز ہوں گے شفاعت سے بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت بھیجا جائے گا۔

۵۔ ہم عذاب قبر پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔ ہمارے خیال میں اقوال و اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور وہ ہم

پیش ہوتا رہتا ہے ۔

۷۔ صحابہ کرامؓ و اہلبیت عظام اور دیگر اکابرین و سلف صالحین کی محبت پر ایمان رکھتے ہیں ۔ خلفاء راشدین بالترتیب مسند خلافت پر فائز ہیں ۔ ان کی خلافت برحق ہے ۔

۸۔ ہم عشرہ مبشرہ کے جنابی ہونے کی شہادت دیتے ہیں ۔ ہم جمع صحابہ کرامؓ سے انس و محبت رکھتے ہیں ۔ اور ان کے باہمی اختلافات کے بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کرتے ۔

۹۔ ہم چاروں ائمہ دین کو رشد و ہدایت کا معیار سمجھتے ہیں ۔

۱۰۔ ہم فتنہ و فساد کے زمانہ ترک قتال کو ترجیح دیتے ہیں ۔

۱۱۔ ہم خروج عذاب قبر اور منکر نیکر پر ایمان رکھتے ہیں ۔

۱۲۔ ہم معراجِ ہمالی کے قائل ہیں ۔

۱۳۔ ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے ہیں ۔

جہاں یہ عقائد ملتے جلتے ہیں ۔ ان کے ساتھ ساتھ یہ عقائد بھی ملتے جلتے ہیں ۔

۱۴۔ امام ابو الحسن اشعریؒ کے عقائد و نظریات نفی و اثبات میں مباغض کرنے والوں کے بین تھے ۔

## مسئلہ اشعری میں اعتدال

۱۔ امام ابو الحسن اشعریؒ کے عقائد و نظریات نفی و اثبات میں مباغض کرنے والوں کے بین تھے ۔

۲۔ معتزلہ ، قدریہ ، مہمہ وغیرہ کی نسبت اعتدال سے زیادہ قریب تھے

حقیقتاً حضرت امام ابو الحسن اشعریؒ ایسے مسلک کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے جو ہر قسم کے اغراض و غلو سے پاک ہو ۔ آپ کی تصنیف لطیف "مقالات الاسلامیین" اسلامی فرقوں کے اقوال و عقائد کا مجموعہ ہے ۔ آپ فرق مختلفہ کے اقوال و آثار کے دقیق النظر اور عمیق الغائر قائل ہیں ۔

قرآن مجید ، ذات و صفات باری تعالیٰ و دیگر تمام عقائد میں آپ کا اعتدال نظر افراط و تقریط سے پاک ہے ۔

## مسئلہ تقدیر اور امام ابو الحسن اشعریؒ

قدرت خداوندی اور افعال العباد کے مسئلہ میں امام اشعری کا مسلک جبریہ ، قدریہ ، معتزلہ کے نقطہ نظر کی نسبت زیادہ متبی الاعتدال ہے ۔ جبریہ ، قدریہ ، معتزلہ کے عقائد کو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جو سب افراط و تقریط پر مشتمل ہیں ۔

امام ابو الحسن اشعریؒ فرماتے ہیں : "بعد احداث پر قادر نہیں البتہ سب کی استطاعت رکھتا ہے یہ عقیدہ قرآن مجید اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے جو غلو اور افراط و تقریط سے پاک ہے ۔"

السان خلق میں مجبور اور انکسار میں مختار ہے یہ عقیدہ ایسا صاف و شفاف ہے جس کو عقل سلیم کرتی ہے ۔

## مسئلہ اشعری میں عقل و نقل کی ہم آہنگی

امام ابو الحسن اشعریؒ نے عقائد پر استدلال کرتے ہوئے عقل و نقل دونوں کا راستہ اختیار کیا ہے ۔ کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرامؓ

کے جو اوصاف مذکور ہیں اس کے علاوہ روزِ آخرت ، ملائکہ ، ثواب و عقاب وغیرہ ان کو دلائل عقلیہ اور براہین منطقیہ کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک نقل و عقل دونوں کو اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کتاب و سنت کی تصریح کی تصدیق کی جائے اور دلائل عقلیہ و منطقیہ سے ان کی صداقت پر استشہاد کیا جائے تاکہ عقل مطمئن ہو جائے ۔

امام ابو الحسن اشعریؒ عقل کو حاکم قرار دے کر نصوص کی تاویل نہیں کرتے بلکہ عقل السانی کو بظاہر نصوص کا ایک ایسا خادم ٹھہراتے ہیں جو ہر جگہ ان کی تائید و توثیق کرتا ہے ۔ آپ عقل و نقل کی مطابقت و موافقت

ثابت کرنے کے لئے ان فلسفی و عقلی مسائل جو تھایا سے بھی مدد لیتے ہیں۔  
جن میں فلاسفہ و مناطقہ غور و خوض کرتے رہے ہیں۔

### عقلیت کی راہ اختیار کرنے کی وجہ

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام اشعری نے عقلیت کی راہ

کہوں اختیار کی لہذا عقلیت کی راہ اختیار کرنے کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام ابو الحسن اشعری نے اعتقادی مسائل میں فلسفہ و منطق سے مدد اس لئے لی تاکہ معتزلہ کا رد کیا جاسکے کیونکہ معتزلہ کا طرز استدلال منطقیانہ و فلسفیانہ تھا اس کے علاوہ آپ معتزلہ کے شاگرد بھی تھے اسی وجہ سے بھی طرز استدلال نسبت تنقید میں آپ کو ملا۔ منطقیانہ و فلسفیانہ طرز استدلال کے بغیر معتزلہ کا رد بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لہذا یہ ضروری تھا کہ انہیں کے انداز میں رد کیا جائے تاکہ قرآن و سنت کی انتہائی بھی قائم رہے اور عقائد باطلہ کا رد بھی ہو جائے یعنی سانپ بھی مر جائے اور عصا بھی محفوظ رہے۔

۲۔ آپ فساد قرامطہ اور باطنیہ کے خلاف بھی نبرد آزما تھے ظاہر ہے ان کو خاموش کرانے کے لئے منطقی و فلسفی قیاسات سے بہتر کوئی چیز نہ تھی اور ان میں اکثر لوگ فلاسفہ و منطقی تھے جن کے لئے وجہ اطمینان عقلی دلائل ہی بن سکتے تھے لہذا اس وجہ سے یہ طرز استدلال کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ امام اشعری نے یہ طریقہ اختیار کرنے کے باوجود قرآن و سنت کی نصوص کو متاثر نہیں ہونے دیا ان کی حیثیت کو برقرار رکھ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔

### امام ابو الحسن اشعری کی خدمات جلیلہ

آپ نے اس وقت اعتقادی مسائل کی صحیح صحیح تعبیر و تشریح کی جب اکثریت اہل علم افراط و تفریط اور حراہوں میں مبتلا و گرفتار تھی۔ گویا کہ آپ کا وجود اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رحمت تھا۔

ان نے تمام مذاہب کے غلط و سبے بنیاد عقائد و نظریات کی یخ کنی کی افراط و تفریط سے محفوظ فرمایا۔

آپ کی علمی و تحقیقی خدمات کو جند اہل علم نے قبول کرنا شروع کر دیا تھا اور بڑی قدر کی نگاہ سے لوگ دیکھنے لگ گئے تھے۔ آپ کے لاتعداد مقلدین مشرق و مغرب میں پھیلنے لگے۔ سرکاری حکام بھی آپ کی تائید و نصرت کا دم بھرتے تھے۔ اور کفار اور دیگر مذاہب کو بھی سزائیں دیتے تھے۔ آپ کے رفقاء اور مقلدین دوسرے بے بنیاد عقائد و نظریات پھیلانے والوں کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔ علماء عصر نے آپ کو امام اہلسنت و الجماعت کا لقب عطا فرمایا گویا کہ آپ کا مقام اعتقادی مسائل کے اماموں میں یہاں ہے جیسے فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مقام ہے۔

امام ابو بکر باکھانی متوفی ۷۵۵ھ

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ دیگر اکابر اشعری مسلک کے پیرو تھے ان بزرگوں نے حضورؐ بہت اختلاف (لغوی یا دلائل کے مقدمات) وغیرہ کی حد تک تو اختلاف کیا لیکن رہے مسلک اشعری۔ انہوں نے اشعری مسلک کو اطراف و اکناف میں بہت متعارف کرایا۔ یہ اہلسنت و الجماعت اشعری میں سرخیل مانے جاتے ہیں۔

### ۲۔ امام ابو منصور ماتریدی

آپ سمرقند کے محلہ ماتریدیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سن ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے غالب حمان یہی ہے کہ آپ ۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔ آپ حنفی المسلک تھے۔ آپ زیادہ تر فقہ اصول فقہ اور اصول دین کے علوم و معارف سے کامل طور پر واقف و آشنا تھے۔ آپ کا طرز استدلال بڑی حد تک اشاعرو سے جداگانہ نوعیت کا تھا۔ آپ کے افکار و عقائد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سے ہم آہنگ ہیں آپ اصول فقہ کے علوم و معارف میں ید طولی کا مقام رکھتے ہیں۔

## امام اعظم ابو حنیفہ اور ماتریدی افکار کی یگانگت

محققین کا کہنا ہے امام ابو منصور ماتریدی کے افکار و خیالات اور نظریہ و عقائد کی اصل و اساس امام اعظم ابو حنیفہ کے اصول پر تھی۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی کتابوں میں جن جن مسائل پر بحث فرمائی ہے مثلاً:

- ۱۔ عبادت باری تعالیٰ۔
- ۲۔ کیا خدا کی معرفت حاصل کرنا عقل و بناء پر واجب ہے یا شرع کی روشنی میں۔
- ۳۔ کیا افعال میں ذاتی حسن و قبح پایا جاتا ہے یا نہیں؟
- ۴۔ افعال العباد کو بندے کی قدرت کی طرف منسوب کرنا قدرتِ خداوندی کے منافی نہیں۔
- ۵۔ تقدیر کا مسئلہ۔

امام ابو منصور ماتریدی نے انہی مسائل کو عقلی و منطقی دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کیا کہ یہ مسائل قطعی طور پر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

## امام ابو منصور ماتریدی کا بارز فکر و نظریہ

امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی اشعری یا مہمہ محاصرہ دووں کے غایات و مقاصد میں چنداں فرق نہ تھا۔ البتہ اشعری کی بود و باش مرکز مخالفین سے بہت قریب تھی محدثین و فقہاء اور معتزلہ کے مابین زمین عراق میں جو معرکہ آرائیاں ہو رہی تھی بصرہ ان کا اہم ترین مرکز تھا جہاں تک ماتریدی کا تعلق ہے آپ ان معرکہ آرائیوں کی سرزمین سے دور بستے تھے۔ تاہم ان مجالس و مناظرات کی صدائے بازگشت وہاں بھی سنائی دیتی تھی چنانچہ ماوراء النہر میں بھی معتزلہ آباد تھے عراقی معتزلہ ان کی کئی بولی باتوں کو دہراتے تھے۔ ماتریدی نے انہی سے ٹکرائی اور ان کے نظریات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ اشعری اور ماتریدی دونوں ایک ہی دشمن کے خلاف صف آراء تھے۔

لہذا ان دونوں کے نظریات بھی برہی حد تک متقارب تھے اگرچہ معتزلہ تھے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے نظریات میں کوئی اساسی و بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا علماء نے لکھا ہے:

”ماتریدیہ و اشاعرہ کا باہمی اختلاف دس مسائل سے متجاوز نہیں اور وہ بھی صرف نزاع لفظی کی حد تک ہے۔“

مگر امام ماتریدی کے اقوال و کراء اور امام اشعری کے آخری آثار و نتائج کا دقیق مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ دونوں کا طرز فکر و نظر جداگانہ نوعیت کا ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ دونوں قرآن کے ثابت کردہ عقائد کو عقل و برہان کی روشنی میں ثابت کرنا چاہتے تھے۔ عقائد قرآن مجید کے دائرہ سے لکھا دووں کو گوارا نہ تھا البتہ ایک فریق پر نسبتاً عقلیت کا زیادہ غلبہ تھا۔ اشاعرہ اور ماتریدی کے عقائد و نظریات کے مابین اختلاف کا تفصیلی ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ہم اپنی کتاب حقیقت اختلاف اور رد اعتقاد میں تفصیلی ذکر کریں گے۔ یہاں پر اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ اشاعرہ کا مقام محدثین و فقہاء اور معتزلہ کے مابین ہے۔ جبکہ ماتریدی کا مقام معتزلہ اور اشاعرہ کے درمیان ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی نے عقلی الحکام۔ البتہ آتے ہیں جو خلاف شرع نہ ہوں ان سے خلاف شرع ہوسے کی صورت میں ان کے نزدیک حکم شرع کے آگے گردن جھکانا ضروری ہے۔

## مسئلہ تقدیر اور امام ابو منصور ماتریدی

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب اشیاء کا خالق ہے۔ اس کائنات ارضی کی ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے۔ خلق اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سمیم نہیں۔ خلق اشیاء کے فعل کو کسی اور کے لئے ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے یہ بات نہ سمجھ میں آتی ہے اور نہ تسلیم کی جاسکتی ہے۔ حکمت خداوندی اس امر کی مقتضی ہے کہ بند صرف انہیں افعال میں جزاء کا استحقاق رکھتا ہے۔ جن میں وہ بااختیار

ہو۔ سزا کو بھی اسی پر فیکس کرنا چاہیے بلکہ سزا دینا جہاں حکمت کا مقتضاء ہے وہاں قرین عدل و انصاف بھی ہے۔

افعال العباد اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت و طاقت سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ خلق افعال اور اکتساب افعال میں دونوں آپس میں متفق ہیں کہ خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور کسب کی نسبت جبروں کی طرف ہے جو کچھ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے یہ ائمہ اربعہ اشاعرہ اور ماتریدی کے افکار و نظریات کا ٹھوڑا ہے۔ اور اسی میں حق ہے۔

### دعوتِ مسکِ اعتدال

اب ہم اس تناظر میں اتحاد امت کا فارمولہ پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ تاریکین اس حقیقت سے آگاہ و آشنا ہو سکیں کہ امت کا اتحاد اختلاف رکھنے کے باوجود ہو سکتا ہے کیونکہ اتحاد امت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہم امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کے علم سے خیراتِ مخلوق صلا کرتے ہوئے تمام کتابِ فارسی معتمد بزرگوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس ضمن ان بزرگوں نے فکری و نظری اعتقادی بلفار کے ماحول میں مسکِ اعتدال کی دعوت دی اور مسلمانوں کو بد اعتقادیوں اور افراط و تفریط سے بچایا۔

آئیے آج کے دور میں کون ایسا کردار ادا کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کودتا ہے۔

دن ہے جو وقت کی ضرورت کو پورا کرتا ہے؟  
وہ کون ایسا مردِ اعجاز ہے کہ جس کو امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور تریذیؒ کی روح کی مدد و معاونت نصیب ہوتی ہے۔  
کیا ہم اس انتشار کو اختلاف کی حدود میں رکھتے ہوئے اختلاف کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں؟

انتشار سے جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے اس کا نتیجہ بھی تمام مکاتب فکر کے علماء نے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے انتشار سے کس کو فائدہ پہنچا اور کس کو نقصان پہنچا۔

ہم آئیے رجعت پسندی سے باز آئیں دشمنوں کے طعنوں کو ناکام بنا دیں۔

دشمن عناصر تو ملاں کہہ کر دین کی عظمت کو داغدار کر رہے ہیں۔  
وہ بھی انتشار ہمیں اس مقام پر لے آیا ہے کہ کوئی شخص مولوی سے متفق ہوتا نظر نہیں آ رہا سب لوگ نفرت کر رہے ہیں کیا ہم نے کبھی اپنے رویے و بدلے کی کوشش کی ہے؟

اگر نہیں اور حقیقتاً نہیں تو آئیے ہم سب ایک قرآن، ایک اسلام، ایک رسول کو سامنے والے ہیں لہذا سب سوچیں۔

دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، اہلحدیث وغیرہ کے درمیان جو مسائل مابہ انزعاء کا سبب بنے ہوئے ہیں ان مسائل پر درمیانی رد لکھ جائے تاکہ مقررین و خطباء نے ان مسائل کی حقیقت کو بیان نہیں کیا جس کی وجہ سے غلط فہم پڑیں ایک دوسرے فریق پر منسوب کی جاتی ہیں حالانکہ ایسی باتوں سے خود انکار ہی ہیں۔ لہذا ہماری اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ

مسائل جو اصل عقیدہ کی بنیاد و اساس نہیں ہیں انہیں خواہ مخواہ عقائد کی اساس و بنیاد نہ بنایا جائے۔ کیونکہ اس وجہ سے عوام بڑی پریشان ہو جاتی ہے۔ ان اختلافی مسائل کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

میرے تمام مکاتب فکر کے اہل علم سے گزارش ہے جن کو وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور غور و فکر کے بعد عوام الناس کو اس اعتقادی پریشانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے میدانِ عمل میں اتریں۔

۱۔ کیا توحید کو بیان کرنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے جس سے جملہ انبیاء کرام، جملہ اولیاء و کامین اور بالخصوص مقام نبوت کی تنقیص ہو چکیا ہم توحید کو انہیں مخصوص مسائل میں محدود سمجھتے ہیں؟ کیا ہم ذاتی و عطائی کا فرق ملحوظ رکھ کر توحید بیان نہیں کر سکتے؟

اگر قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق ذاتی و عطائی کا فرق ملحوظ رکھ کر اس کا ہم اقرار بھی کرتے ہیں (بیان کر سکتے ہیں تو) پھر ہم توحید کو بیان کرنے کا انداز بیان کیوں نہیں بدلتے؟



کیا ہم نے ایسی توحید کو ایمان کا مرکز و محور بنا رکھا ہے؟ جس سے حقیر انبیاء و اولیاء لازم آئے؟ کیا ہم ایسی توحید کے علمبردار ہیں جس سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو؟

کیا ہم ایسی توحید کے پرچار ہیں کہ جس سے پیٹ تو پلٹتا رہے لیکن امت کی وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے تو ہوتی رہے؟ افسوس ہے ایسی توحید کے علمبرداروں پر جو جانتے اور سمجھنے کے باوجود دھڑا دھڑا تقاریر کرتے اور تصانیف لکھ رہے ہیں۔ کیا اسی کا نام دین کی خدمت ہے؟ جس سے منافرت پکینے، اسلاف کے بارے میں بدگمانی پھیلے؟ اگر اسی کا نام توحید اور دین کی خدمت ہے تو خدا و دین اسلام کی حقانیت کو و نہ نہ کریں کیونکہ ہمارے رویت سے عوام بہت مظلوم ہو چکی ہے اگر ہمارا یہی رویہ رہا تو قیامت کے دن موجودہ حالات جو دین سے دوری کے پورے ہیں اس کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ نوجوان لسل ایسے ملاؤں کے کردار سے دین سے دور ہو رہی ہے۔ جو ہیئت کے لئے توحید کو استعمال کر رہے ہیں۔

۲۔ کیا تمام باتیں، مسئلے، سوالات، مسائل کا یہی طریقہ رد کیا ہے؟ کہ مخصوص مسائل و مقام نبوت کی مسائل و بیوروں پر۔۔۔ دراصل کوئی مابین کیا جائے کہ سوکھائی، عطائی کا فرق سمجھنے سے اسی عاری ہو جائیں۔ اور غریب ان پڑھ عوام ان مسائل کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بناء پر نوؤں سے شرک کے فتویٰ وصول کرتے رہیں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ رہائی علاقوں میں واعظین و خطباء و مقررین ان مخصوص مسائل کو ایسا بیان کرتے ہیں جن کا اہلسنت کے عقائد سے دور کا واسطہ نہیں ہوتا۔

کیا ہم ان مخصوص مسائل کے بغیر مقام نبوت کو بیان نہیں کر سکتے؟ کیا فضائل احادیث فقط انہی موضوعات پر ہیں؟ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو آئیے ہم آج سے اقرار کریں کہ ہم ایسی گفتگو کریں گے جس کی سب کو سمجھ آئے گی تاکہ اتحاد امت کی راہ ہموار ہو سکے۔

ہاں اگر کوئی سائل سوال کرتا ہے تو اسے احسن انداز یعنی بغیر کسی کچھڑا چھالتے ہوئے جواب دیا جائے تاکہ سب کے لئے یکساں مفید ہو۔

اس سبب میں دونوں مکتب فکر کے اعدا ال پسند برزوں سے گذارش ہے کہ مہربانی فرما کر متنازع فیہ عبارات جو کتب میں موجود ہیں انہیں آئڈیشن میں نکل دیا جائے تاکہ

”نہ رہے سر نہ سبکے بانسری“

کیونکہ انہی کے وجہ سے مناظرے و مجاہدے ہوتے ہیں جس سے عوام میں سخت کشیدگی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اپنے برزگوں سے بھی گذارش ہے کہ آج کے دور کے تقاضوں کے پیش نظر ان عبارات کے مصنفین پر جملے نہ کیے جائیں تاکہ عوام کو ذہنی و اعتقادی پریشانیوں سے بچایا جاسکے۔

۲۔ کیا صحابہ کرام کی محبت یہی ہے کہ آل رسولؐ سے بغض رکھا جائے؟ کیا صحابہ کرام کی اتباع و اطاعت کا یہی معنی ہے کہ یزید پلید کو صحیح کما جائے؟ کیا جب صحابہ کرام کی دعوت یہی ہے جیسے ہم دہ ربہ میں؟ کیا جن برزوں کی محبت سے ہم علمبردار ہیں وہ اپنے مخالفین سے بھی سلوک روا رکھتے تھے جو ہم سے روا نہ تھا ہوا ہے؟ کیا مضر سوال کی یہی شان ہے؟ کیا اسی کا نام تبلیغ ہے کہ دوسرے پر کفر و شرک کی پوچھاڑ کی جائے؟ العیاذ باللہ اگر ایسی ہے تو پھر اسے کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ دین رحمت ہے اور رحمت کا تقاضا یہ نہیں ہے جو ہم کر رہے ہیں۔

میں صلی وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں کہ صحابہ کرام کی محبت کا نام بغض آل رسولؐ نہیں بلکہ صحابہ کرام کی محبت و سلامی کا نچوڑ تو غلامی محمدؐ و آل محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ کیونکہ خود صحابہ کرام آل رسولؐ کی محبت کو اپنے آپ پر واجب قرار دیتے تھے۔ لہذا اس سلسلے میں میری گذارش ہے محمدؐ و آل محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی قصیدہ لونی کا خاتمہ کیا جاسکے اور جن جن کتابوں میں یزید کی قصیدہ لونی کی گئی ہے ان عبارات و سذات کو دیا جائے یا پابندی لگا دی جائے۔ اس سلسلے میں کتب خانوں کے مالکان رابطہ بھی کیا جاسکتا ہے اور علماء کا پورڈ بنایا جاسکتا ہے جو ان خرافات کا دت کر مقابلہ کریں۔

۳۔ رسومات و بدعات کا مل جل کر خاتمہ کیا جائے جو دونوں مسلک کے نزدیک

دست نہیں ہیں اسے عوام غلط فہمی کی بناء پر دین یا دین کا جزو سمجھتے ہوئے ہیں۔

۵۔ محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دم بھرنے والوں سے بھی گزارش ہے کہ آل رسول کی محبت کا معنی بغض سمجھا نہیں ہے۔ کیا ہم اس برادری کے معتدل بزرگوں سے سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ جن جن مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے کیا یگانہ کرنے سے اتحاد کی راہ ہموار ہو سکتی ہے؟

کیا ہم ان مسائل کا ذکر کر کے دین اسلام پر احسان کر رہے ہیں؟ اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

اگر واقعتاً ایسا نہیں ہے تو پھر ہم اپنی نظائر میں ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان مسائل کے ذکر میں آل رسول کا مقام و مرتبہ پٹیاں پوشیدہ ہے؟ کیا ان مسائل میں ہی ذکر کیا جاسکتا ہے کیا ان مسائل کے علاوہ ذخیرہ مناقب نہیں ہے؟ اگر ہاں تو پھر ہم ات بیان کیوں نہیں کرتے؟

امید ہے کہ کیوں کا جواب تنہا کی سے تلاش کیا جائے تو یہی ہوگا کہ مسئلہ ہمارے پیٹ کا ہے جس کو ہم پانے کے سے حرج حرج کے اختلافات بغیر کسی شرعی مقصد کے بیان کرتے رہتے ہیں۔

۶۔ روایات، اخلاقیات کے خاتمے سے عام پرچار و مہینہ بیرون کو ممنوع نہ قرار دیا جائے کیا بدعات و روایات کا حاتمہ یہی ہے کہ تنہا کی کو ممنوع قرار دیا جائے؟ کیا اگر بعد از تنہا کی سے آواز کی گائی ہم ہے نہ حوروں، حدیث سے بدعنوان کیا جائے؟ العیاذ باللہ۔ اگر ایسا ہے تو یہ بتائیں دین جن جن ذرائع سے پہنچا ہے اگر وہ درست نہیں تو دین کیسے درست ہوگا؟

حقیقت یہ نہیں ہے تو آئیے اعتدال پسندی کا دامن چھامیں تاکہ امت اس گرداب انتشاری سے محفوظ رہ سکے۔ موجودہ ایکشن میں ناکامی مذہبی قائدین کی انتشار پرستی کا نتیجہ ہے۔ ایک دوسرے کو مشرک، کافر، بدعتی، تمہابی کا فتویٰ لگانے کا نتیجہ ہے کہ قوم نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ قیادت اس لائن نہیں ہے ایک دوسرے کو لڑاتے ہوں۔

مشرک و کفر کی صدائیں بلند کرنے والے کبھی بھی اطمینان و سکون پر یا نہیں کر سکتے اور میں علی وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں کہ عوام کا فیصلہ مذہبی قیادت کی عدم اتحاد کی وجہ سے درست ہے۔ فیض انتظامی اتحادوں سے کبھی بھی انقلاب نہیں آسکتا اس کے لئے ضروری ہے عوام کو مطمئن کیا جائے۔ در اسلام یہ حیثیت مذہب نہیں بلکہ دین کے پیش کیا جائے اور جدید مسائل کی عوامی شخصیات کی جانے تاکہ جدید دین کے ٹکڑے و شہادت کا لڑاں ہو سکتے۔

اور دونوں نفوس برحق ہیں پس اسی نسبت کے لحاظ سے انہیں نبوت و رسالت سے فیض نصیب ہوا ہے۔ باقی یہ بدعتیگی و گمراہی ہوگی کہ آل رسول کی محبت کے دعویٰ پر صحابہ کرام کا بغض رواء رکھا جائے اور صحابہ کرام کی آراء میں بغض اہلبیت کو رواء رکھا جائے یا حب معنویہ کے نام پر بغض حق کی نشر و اشاعت کی جائے۔ یہ دونوں زاویہ نگاہ ایمان و اسلام کے لئے کیڑا ہیں۔

لہذا ہم تمام مسلمانوں سے گزارش کرتے ہیں کہ سختی میں جواہدہ کی پیش نظر اہل افراط و تفریط۔ اپنے ایمان کو محفوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

وَأَعِصْمُوا بِهٖ النَّفْسَ الَّتِي جَاءُوا لَا تَفْرُقُوا۔ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا اور فرق نہ ہونے۔"

نہ خلم قرآنی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فاریکین کے علمی و تحقیقی استفادہ کے لئے خطوط کے ذریعہ پوچھے  
۔ سوالات کے جوابات جو مسئلہ تقدیر کے متعلق ہیں ان کو یہاں درج کیا  
ہے۔

### دعوت بے اثر کیوں ہو جاتی ہے ؟

سوال محترم حسینی صاحب مہربانی فرما کر ہمارے اس سوال کا جواب  
جلد از جلد ارسال فرمائیں کیونکہ بڑا بے چین ہوں اور عجیب و غریب کیفیت  
میں دن گذر رہے ہیں لہذا پہلی فرصت میں جواب دیں۔

دعوت بے اثر کیوں ہو جاتی ہے ؟ حالانکہ یہی پیغام ہم پہلے دیا  
رتے تھے تو لوگ کشاں کشاں دوڑے آتے تھے لیکن اب وہ صورتحال نہیں  
ہے اس کی آپ کے نزدیک کیا وجوہات ہیں ؟  
جواب سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسانی کیفیات کا بدلنا کوئی عجوبہ  
نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

تِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

”کہ لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔“  
کُلُّ يَوْمٍ مَّوْفٍ شَأْنٌ

۔ (سوال و جواب)

”ہر دن انسان سے نئے پہلے دن سے نیا ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔“  
جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا:

کہ جس کے ارادے بلند ہیں جاگیں اور ٹوٹتے رہیں اسے انسان کہتے ہیں اور  
جو یہ چاہے کہ ایک حالت پر قائم رہوں اور جو کچھ چاہوں وہی کچھ ہو جائے  
ایسی شان الوہیت ہے اور وہ اسی کے لائق ہے۔

آپ اس پر پریشان نہ ہوں کیونکہ کیفیت دل کا بدلتے رہنا ہی عروج  
و زوال ہے اپنی کیفیت کے بدلنے کا احساس ہو جانا انعام باری تعالیٰ ہے حضرت  
قبلہ سیدی و مرشدی قدس سرۃ العزیز کا عنایت فرمودہ وضیعہ کثرت سے پڑھیں  
نئی کے اثرات دوام استمرار کی صورت میں جلوہ فگن رہیں گے ترقی درجات  
ہوگی۔

باقی دعوت کا بااثر ہونا یا بے اثر ہونا یہ سب داعی کے اعمال عمل اور تضاد عمل کی وجہ سے ہوتا ہے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب داعی کے قول و فعل میں مطابقت سال درجے کی ہو تو دعوت کا اثر ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنے مشاہدات و تجربات کا ذکر کیا ہے۔

جب قول و فعل میں تضاد پایا جائے اور داعی کا کردار دعوت کی حقیقی گواہی نہ دیتا ہو تو دعوت بے اثر ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے۔

اتخاص عمل کی روح ہے بغیر اخلاص کے عمل بیکار ہے۔

اس کے علاوہ مادہ پرستی اور دنیا صلی دن بدن بڑھ رہی ہے اور دیندار گھرانے جن کے آباؤ اجداد کی ساری زندگیاں و نفسانی میل اللہ رہی ہیں ان کی اولادیں جانتے سمجھنے کے باوجود بھی بے عمل ہو رہی ہیں ان کو آپ علامات پیامت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں دنیا طلبی ہی تمام فسادات کی بڑا ہے یہ مال و دولت یا حرص بھی نیکی قبول کرنے میں رکاوٹ کا جب بنتا ہے اس وجہ سے بھی داعی سے اخلاص کے باوجود دعوت کے ظاہری نتائج نہیں دہائی دیتے۔

جس تصور اور حوالے سے آپ نے سوال کیا ہے وہ تفصیل طلب جواب کا مستعمل ہے۔ یہاں پر اتنا عرض کر دیتا ہوں غلج شروع سے ہی ظاہری نتائج اور کامیابی کے فلسفہ پر مطمئن نہیں رہتا بلکہ اس وقت بھی یہی کہتا تھا کہ یہ فقط الفاظ و کلمات کے مفکرانہ بیچ و تاب ہیں حقیقت وہی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جاتا رہا ہے۔

ہم خواہ مخواہ کے ان کو نامیدی دے یقینی اور فرسودہ ذہنیت سے تعبیر کرتے رہے ہیں بہر حال جو کچھ ہوا عملی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔

محنت کرنا انسان کا کام ہوتا ہے اور اسے کامیابی دینا اور کامیابی سے نوازنا اللہ رب العزت کا کام ہے۔

اور اللہ رب العزت کسی کی محنت کو ضائع بھی نہیں فرماتا اور یہ بھی آپ کے مشاہدات میں ہے جو کچھ دینی جماعتوں کے ساتھ ہوا ہے یہ کوئی عقل کے تحت نہیں ہوا ہے بلکہ وہی کچھ ہوا ہے جتنا ان کا خلوص تھا

اور یہ ہونا دینی جماعتوں کی عبرت کے لئے کافی ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ایک دین ایک رسولؐ، ایک قرآن کے ماتھے والے ایک ہونے کے باوجود متحد نہ ہو سکے اور اس کے برعکس برائی بڑی یا چھوٹی پھیلانے والے سب متفق ہو گئے۔

دینی جماعتوں کی ناکامی دین کی ناکامی پر گز نہیں ہے نہ ہی اسے سمجھا جانے پر سب مولویوں کے ٹیلے اور ہائے ہیں ہم بھی کافی عرصہ سے ان کا دین کے ساتھ دردیں رہے ہیں۔

اگر واقعی ان کو دین کا درد ہوتا تو پھر متحد ہو جاتے ان کا متحد نہ ہونا ہی ناکامی نہ ہونا بلکہ

مذہب مایوس نہ ہوں اجتماعی اصطلاح کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے انفرادی کوششوں سے اجتماعی اصلاح ناممکن ہوتی ہے۔

جنہوں نے خلوص کے ساتھ اتفاق و اتحاد کی ضرورت کو سمجھا اور اسے عملی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ان کو ہم سب جانتے ہیں اور جو دین و قرآن کو اپنی چھوٹی کرسی کے لئے استعمال کرتے ہیں ان کے حضروں سے پوری قوم اچھی طرح واقف ہے۔ مخلصین کی انفرادی کوششیں بے اجر و ثواب نہیں ہوتیں انہیں ضرور اجر ملتا ہے

اقتلاب پر پورا پورا یقین ہے اس عکس کی آمد کے لئے دعائیں بھی ہیں جہاں تک دینی جماعتوں کی ناکامی اور اقتلاب کے بارے میں تقدیری خدشہ ہے اس پر آپ خود بھی سوچیں۔ کہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو اقتدار یونٹنی مل جاتا ہے یا وہ نیک لوگوں کے مقابلے میں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے زیادہ قربانی دیتے ہیں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ برائی پھیلانے والے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ ناساتے ہیں اور یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔

کیا ہم اتنی محنت کرتے ہیں اور قربانی دیتے ہیں جب ہم نہ اتنی محنت کرتے ہیں نہ اتنی قربانی دیتے ہیں جتنی درکار ہوتی ہے تو پھر ناکامی و ہم کیسے تقدیر پر محمول کر سکتے ہیں؟

ہاں اُن قربانی اجتماعی دی جاتی اور پھر ناکافی ہوتی تو سہا جا سکتا تھا  
 بغیر محبت و قربانی کے ناکافی کو تقدیر کے آٹھانے میں ڈال دینا دھوکے سے سو  
 کچھ بھی نہیں۔

یہ تو درست ہے کہ یہ سب کچھ خالق کے علم میں محتاجین نہیں  
یہ حیات — پختہ — — — قوت عطا فرمائی ہے جسے استعمال کرنا  
ہمارا فقیار نام ہے ۔

لہذا بغیر محنت اور قربانی سے ناکام و تقدیری فیصلوں پر معمول نہ رہنا غلطی ہے۔ مقاصد عظیمہ اور اس کے حصول میں کی جانی والی کوششوں پر آپ نظر دوڑائیں کیا ہم سرخرو ہونے کے اہل تھے بلکہ جو کچھ ہوتا رہا ہے یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ باقی انقلاب پر پورا پورا یقین ہے لیکن یہ انقلاب کسی ایک مخصوص شخصیت کا محتاج بھی نہیں ہے اس کار خیر میں شریک ہونے کی کوشش اور دعا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اللہ رب العزت جس سے چاہے گا اس سے وہ کام لے لے گا۔ غلبہ حق کی بحالی کے لئے کوشش کرنا ہم سب پر فرض ہے۔ کسی مخصوص شخصیت کو ہی اس کا اہل سمجھنا اور باقی کو نااہل یہ غلط ہے۔ اہل و نااہل سب کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جن کو لوگ اہل سمجھتے تھے ان کی تدبیریں سب کے سامنے ہیں کہ وہ کیا کرنے والے ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ کسی ایک مخصوص شخصیت سے جذباتی عنفیت پر امید بنانا لینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس ہو جاتا ہے۔ شخصیت سے مایوسی، پھر اسلام سے یقین اٹھ جاتا ہے۔ لہذا شخصیت پرستی سے پرہیز کریں۔ اور غافلہ بنو خزیز مادیہ پرستانہ سوچ ہے۔ لہذا آپ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں

تقدیر و عا کے منافی نہیں ہے

سوال محترم مسیحی صاحب کافی دنوں سے عریضہ ارسال کیا تھا لیکن ابھی تک جواب نہیں ملا لہذا یہ عریضہ یاہودیائی کے لئے ضبط تحریر کر کے ارسال کر رہا ہوں امید قوی ہے ہالوں میں نہیں فراموش ہو گئے۔

میں نے سوچا کہ :

میرے پاس ہر قدر پیٹ سے طے ہو چکا ہے، "تو پھر دعا کے کیا معنی

تقدیریں دو قسمیں ہیں  
میرم (حقیقی) اس کی تبدیلی ناممکن ہے  
معلق : عام دعاؤں اور نیک اعمال کے سبب سے بدل جاتی ہے اللہ

حضرت نے ارشاد فرمایا  
 حَتَّىٰ تَلْقُوا مَآيَسَاءَ وَبَشِيرَتَ عِندَهُ أَمِ الْكِتَابِ  
 جسے چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس

تقدیر مہرم کے لئے اگر خاصانِ بارگہ خداوندی اس کی تبدیلی چاہیں  
 نہیں عرض کرنے سے پہلے ہی روک دیا جاتا ہے دعا اپنی جگہ درست ہے  
 تقدیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رب العزت ایک بات طے کرنے  
 کے بعد بے بس ہو گیا ہے وہ جس طرح فیصلہ کرتا ہے اسی طرح اس فیصلے  
 و بدلنے کا اختیار بھی رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ طے کر چکا ہو کہ  
 یہ شخص دعا مانگے گا تو میں اپنے فیصلے کو بدل دوں گا۔ اور اگر دعا نہیں  
 مانگے گا تو میں اس کے ساتھ طے شدہ فیصلے کے مطابق معاملہ کروں گا اسی کو  
 مطلق میں تقدیر معقول کہتے ہیں

یعنی جس کے متعلق رد و بدل کی گنجائش رہی ہو اسے نقد پر متعلق  
 اور جس کے متعلق گنجائش نہ رہی ہو قطعی ہو نہ بدلے والی ہو اسے نقد پر  
 مہرم کہتے ہیں۔

لہذا آپ دعا کی اہمیت کسی طریقے پر کم نہ سمجھیں ویسے بھی اللہ رب العزت کی رحمت سے ایسی ونا امید کی کفر ہے اعمال حسد اور دعا کے میدان میں جاسد اور حق اب بندہ نہ - اور اللہ تعالیٰ کرم فرماتا ہے -

کیا عمر سم یا بڑھ سکتی ہے؟

محترم مسیحی صاحب <sup>۷</sup>ٹھیکے، دنوں ہمدے ہاں آپ کی تقزین بخشنی و  
 دین پر ایک ساعل کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا انسان کی موت ہ وقت



پہلے سے ہی متعین ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کا منشا یہ ہے کہ ہر شخص جو پیدا ہوتا ہے اسے موت ضرور آئے گی لیکن اس نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ موت کب آئے گی؟  
نہ لے ہر شخص کی موت کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ مرجاتا ہے

اللہ رب العزت نے ہر چیز کے اثرات کے اندازے مقرر کر دیئے ہیں مثلاً

۱۔ پانی کا ایک گلاس ہو تو وہ زندگی عطا کرے گا لیکن جب اسی پانی میں دوب جاؤ تو اسے موت واقع ہو جائے گی

۲۔ آگ کے سامنے موسم سرما میں ہاتھ رکھو تو خشکوار گرمی پہچانے گی لیکن اس کے اندر ہاتھ ڈال دو تو ہاتھ جل جائے گا

۳۔ دوائی ڈاکٹر، حکیم کے مطابق مقدار کے ساتھ استعمال کی جانے تو صحت ہوگی اگر مکمل ڈبلی یا نسخہ ایک وقت میں کھا لیا تو اس سے بدست واقع ہو سکتی ہے۔

یہ اشیاء نے یہاں سے جن کے اپنا اپنا اثرات ہیں پر اسی طرح موت کے بھی یہاں سے :

لَحْنٌ قَدْ دُنِيَ بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ

”ہم نے تمھارے درمیان موت کے یہاں سے مقرر کر دیئے یہ یہاں سے ایسے قوانین کے مطابق متعین ہوئے ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہوتی اسی چیز کو قرآن مجید میں کتاب موحل سے تعبیر کیا گیا ہے۔“

کتاب کے معنی قانون اور موحل کے معنی مقرر کردہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے کہ فلاں چیز سے بلاکت ہوگی اور فلاں چیز سے زندگی یا صحت ملے گی۔

لَا تَلْمِزُوا أَبَايِدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

”اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو“

اگر مندرجہ بالا تصور کے مطابق موت کا وقت پہلے ہی سے مقرر ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت ہوتی؟

تو اس پر میرا سوال یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کا عرصہ حیات اللہ رب العزت کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہے اور اس میں کم و بیش نہیں ہو سکتا تو پھر بعض اوقات کسی مریض کے علاج میں کوتاہی اور شرط تشخیص مریض وغیرہ موت کا باعث بن جاتے ہیں تو ان حالات میں متوفی کا عرصہ حیات ہی اس قدر بٹھا یا اس کا علاج ہوتا تو وہ زندہ رہ سکتا تھا۔ ایذا مہربانی فرما کر اسکا جواب دیں

جواب : جہاں تک تقدیر میں کئے گئے سوال کے جواب کا تعلق ہے تو اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوْتَدَلًا (ال عمران ۱۳۳:۳)

”کسی شخص کے لئے یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر جائے۔ موت کا مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔“

اسی آیت سے مضموم اخذ کرتے عرض کیا تھا

”کہ موت کا ایک دن متعین ہے“

اس سے مزید یہ کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اس سے نہ تو

نسلان و احتیاط و تدبیر سے موت متعین و موخر ہو سکتی ہیں اور نہ ہی اس کی بے احتیاطی قبل از وقت موت لا سکتی ہے۔ اس نظریے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی عام طور پر اپنی صحت سے لاپرواہی برستے ہیں بیمار ہونے پر علاج ہی نہیں کرتے اور اگر علاج کرتے بھی ہیں تو بڑی بددلی سے تاخیر سے۔

اور جب بھی ان سے اس کے متعلق کہا جائے تو جواب میں یہی کہتے ہیں کہ موت اور بیماری سب پہلے سے لکھی ہوتی ہے۔

انسان کی کوئی تدبیر اس لکھے کو منہ نہیں سکتی اگر موت آتی ہے تو ہزار تدبیروں سے باوجود اگر رب کی اور اگر اسکا وقت نہیں آیا تو انسان جس قدر بے احتیاطی چاہے کر لے اس کوئی مار نہیں سکتا۔

یہ ”تقدیر“ی منشا نے خلاف ہے

”کہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو بلاست میں نہ ڈالو  
لہذا تدبیر کرنا اور لکھے پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے رہنا قرآن مجید  
خلاف ہے کیونکہ اسی حکم سے خودکشی حرام قرار دی گئی ہے۔ خودکشی کی  
صور میں ہیں اور دونوں حرام ہیں

- ۱۔ آلہ قتل یا زہر سے اپنا خاتمہ چند لمحوں میں کر لیا
- ۲۔ آہستہ آہستہ خودکشی کرنا

مثلاً بیماری کی صورت میں کوئی غلط نہ کرنا

نفاق نہ کرنا بھی دیا کہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں نہ ست میں ڈالنا ہے  
قرآن مجید علم الطب کی کتاب تائید کرتا ہے۔ ماضی اور ان  
کے علاج سے ہی بحث کرے لیکن اس نے ایسے ایسے اصول و قوانین دے  
ہیں جو علم الطب کی بنیاد و اساس ہیں۔ کہ ایسے کاموں سے اجتناب کرنا چاہتے  
کہ جن سے امراض پیدا ہوتے ہیں اور ایسی چیزیں استعمال کرنی چاہئیں۔  
جن سے شفاء ملتی ہے

قرآن مجید نے ایک عام اصول دیا ہے

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

”کھاؤ پیو، لیکن زیادتی نہ کرو“

یہ صحت کا بنیادی اصول ہے جس پر اطباء و حکماء حیران و ششدر  
ہیں اور شہد کے متعلق قرآن مجید نے وضاحت کی

وَفِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ

”اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے“

یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے اگر موت اور مرض کو ایک معینہ  
وقت پر آنا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو پرہیز اور علاج سے متعلق  
ان ہدایات کی ضرورت ہی نہ تھی کمی و بیشی نہ ہوتی تو یہ ساری ہدایات عبث و  
فصدول ٹھہریں گی

قرآن مجید کا منشاء یہ ہے کہ: ”موت اور مرض کے لئے قانون مقرر ہیں۔“

یہ چیزیں ان ہی قوانین کے مطابق آتی ہیں اور ان ہی قوانین کے  
مطابق جاتی ہیں لہذا ایک خاص قانون کے مطابق عمر جست جاتی ہے اور  
دوسرے قانون کے مطابق عمر بڑھ جاتی ہے  
اسی کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَمَا يُعْمَرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ

”نہ کسی کی عمر بڑھتی ہے اور نہ کٹتی ہے مگر قانون کے مطابق اس سے  
صاف ظاہر ہے کہ قانون کے مطابق عمر لینی ہوتی ہے اور قانون کے مطابق کم  
ہوتی ہے“

اور قانون یہ ہے کہ بے احتیاطی سے عمر کم ہوتی ہے اور احتیاط  
سے عمر بڑھ جاتی ہے جسم کی میشری خدائی مقرر کردہ قانون کے مطابق چلتی  
ہے اور انسان اپنے اختیار سے اس کی خلاف ورزی کر کے خراب کر سکتا ہے۔  
اور صحیح استعمال سے عمر طبعی تک پہنچ جاتی ہے تو یہی کہا جائے گا۔ کہ موت  
کا وقت مقرر نہیں ہوتا بلکہ قانون مقرر ہوتا ہے۔ اسی تصور میں موت کا منشاء  
اور بڑھنا کا جانا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ ہے۔

### کیا تقدیر تدبیر کے منافی ہے

سوال بعض لوگ وسیلہ پکڑنے سے منع کرتے ہیں کہ تدبیر کچھ نہیں  
سب کچھ تقدیر ہے اور بعض لوگ سب کچھ تدبیر کو سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں  
تقدیر کچھ بھی نہیں۔ ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟  
جواب جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تقدیر کچھ بھی نہیں ہے۔

۔ سب کچھ تدبیر ہے ایسا شخص غلطی پر ہے صریح نصوص کا  
انکار کرنے والا ہے۔ اسی طرح تقدیر کو کچھ نہ سمجھنا سب کچھ تدبیر کو سمجھنا  
بھی سخت غلطی ہے۔

صرف تقدیر پر ہاتھ پاؤں دھر کر بیٹھ جانا منشاء شریعت کے

خلافت ہے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسباب کے موافق و مناسب ہاتھ پاؤں مارے اور اس کے بعد پھر یہ اعتقاد رکھے کہ میری تدبیر بھی اسی وقت کار آمد و مفید ہوگی کہ تقدیر موافق ہو۔ تقدیر اور تدبیر کا درمیانی راستہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

## کیا امیری یا غریب منجانب اللہ پہلے سے طے ہوتی ہے؟

سوال محترم حسین صاحب میرا ایک دوست کہتا ہے: "کہ ذریعہ معاش اختیار کرنا، اچھے یا برے کام کرنا دوزخ یا جنت کا سبب، امیر یا غریب ہونا منجانب اللہ میری تقدیر میں پہلے ہی سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور دوسرا دوست اس کے برعکس کہتا ہے۔ کہ یہ سب میرے کام ہیں۔ منجانب اللہ نہیں ہیں۔ تقدیر اندازہ یا عمل کے نتیجے کا نام ہے جو منجانب اللہ اہل ہے۔ دونوں دوستوں کے مابین سخت کشیدگی ہو گئی ہے لہذا مراد فرما کر صحیح راستے کی نشاندہی فرما دیں تاکہ میں ان دونوں کو سمجھا سکوں۔

جواب آپ کے پہلے دوست (الطاف علی) کا یہ قول اس حد تک توضیح ہے کہ تمام کام جو انسانوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ تقدیر ہی سے ہوتے ہیں۔ یعنی ازل سے ابد تک تمام حوادث و واقعات کا اللہ تعالیٰ کو علم اور اندازہ تھا اسی علم الہی اور قدر ایزدی کے موافق تمام حوادث و واقعات اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم مقدر سے باہر نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اچھے برے کاموں پر مجبور کر چکا ہے۔ یا کرتا ہے۔

مجبور و اختیار کے فرق کو سمجھ کر مختار مانتا ہے تو درست ہے ورنہ

غلط آپ کے دوسرے دوست کا یہ قول (میرا ہی فعل ہے منجانب اللہ نہیں) اگر سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدر میں یہ باتیں نہ تھیں جو بند نے کیں ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس سے جملہ دینی تقاضا لازم آتا ہے

بہر حال دونوں کی عبارات مبہم ہیں صاف صاف عبارت ہونی چاہیے۔ امیر و جنتی اور دوزخی ہونے میں انسان مجبور و بے بس ہے تو غلط ہے۔ اگر اپنے اعمال کی بناء پر کوئی غریب و امیر جنتی اور دوزخی ہوتا ہے تو درست ہے۔ امید ہے کہ آپ دونوں دوستوں کی اصلاح مکمل کتاب کا مطالعہ کر کے فرمائیں۔ کیونکہ پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ بہتر سمجھا سکتے ہیں۔

جہاں تک امیری اور غریبی کا تعلق ہے تو یہ انسان کی ذاتی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہوتی

امیری اور غریبی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ وہ محنت و کوشش نہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو کئی لوگ ایسے ہیں جو غریبوں کے گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن محنت و مشقت کرنے پر امیر ہو گئے۔ فقط امیری نہیں ہوئے بلکہ بڑے بڑے رؤسا ان کے دست مگر ہو گئے اور اس طرح کئی لوگ امیروں، جاگیرداروں کے گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن اپنے اعمال و افعال بد کی بناء پر چند ٹکوں کے محتاج ہو گئے۔ یہ مثالیں کئی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر یہ تصور کر لینا کہ بھائی میرا لکھا رزق تو آجائے گا اور مجھے کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے لہذا یہ تصور غلط ہے۔ محنت کئے بغیر امیری کی خواہش کا پورا نہ ہو سکتا یہ تقدیر کا اصول غلط ہے۔ محنت و کوشش کرنے میں انسان مختار ہے مجبور ہرگز نہیں اور جو شخص محنت و کوشش کرے اس کا شرعاً ضرور ملتا ہے اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا۔ باقی جس بناء پر آپ کو امیری اور غریبی پر رونا آ رہا ہے وہ مسئلہ تقدیر کی بناء پر ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے غریب طبقہ کا استحصال ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں بعض لوگ محنت و مشقت کرنے کے باوجود دن بدن غریب ہو رہے ہیں۔ لہذا یہاں پر اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کو اسلام کا معاشی نظام تفصیلاً بتاؤں۔ یہ ایک فکری و علمی اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کو ہم اپنی کتاب "اسلام کا معاشی نظام" میں تفصیلاً گفتگو کریں گے۔ یہاں پر چند بنیادی باتیں عرض کئے دیتا ہوں تاکہ وقتی شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ موجودہ دور کی غریبی اور امیری پاکستان کے فرسودہ نظام کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے اور امیر امیر

سے امیر تر ہو رہا ہے۔ انسان کی معاشی زندگی کو عدل و انصاف اور صداقت و عدالت پر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے چند بنیادی اصول و قوانین اور حدود مقرر کر دی ہیں۔ تاکہ سرمایہ دولت کی پیدائش، مصرف اور استعمال اور گردش کا سارا کا سارا نظام انہی خطوط و حدود اندر اندر چلے۔ جو اس کے لئے اسلام نے مقرر کر دیئے ہیں۔

۱۔ قرآن و سنت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس کی جملہ تمام چیزیں انسان کے لئے بنائیں ہیں تاکہ انسان ان سے نفع و فائدہ اٹھائے۔ اس لئے ہر انسان کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ زمین سے رزق کے حصول کے لئے تنگ و دو اور کوشش و محنت کرے۔ اس پیدائشی اور بنیادی حق میں سب انسان برابر ہیں۔ کوئی شخص کسی کو اس سے محروم نہیں کر سکتا۔ رزق کے وسائل میں کوئی کسی کو روک نہیں سکتا۔ کہ وہ یہ کام کرے اور دوسرے پر اس کا دروازہ بند ہے۔

اسلام وسائل معاش و معیشت کو کسی خاندان کے قبضے میں دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ وہ ان وسائل پر قابض ہو جائے اور اپنی مرضی سے ان کی تقسیم کرے۔ اس کی اسلام کسی کو بھی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سب انسانوں کا یکساں حق ہے اور اس کی کوشش کے لئے سب کو مواقع میسر ہوں کسی تفریق کے بغیر یہ کوشش انسان کا بنیادی حق ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جن نعمتوں کو تیار کرنے یا انہیں کارآمد بنانے میں کسی کی محنت اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہ ہو تو وہ سب انسانوں کے لئے یکساں بغیر کسی تفریق کے جائز و مباح ہیں۔ ہر شخص کو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ان سے فائدہ و نفع اٹھانے کی اجازت ہے۔ جیسے ”دریاؤں اور چشموں کا پانی“ ”تدرتی درختوں کے پھل“ ”جنگل کی لکڑی“ ”خود رو اور جڑی بوٹیاں“ ”گھاس“ ”سطح زمین پر کھلی ہوئی کانیں“ ”ان چیزوں پر کسی ایک خاندان یا فرد کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ اور کسی شخص کو ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے منع نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ تجارتی اغراض کے لئے وسیع پیمانے پر ان میں سے کسی کو استعمال کرنا چاہیں ان پر حکومت ٹیکس لگا سکتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں انسانوں کے نفع و فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔ انہیں بے کار فالتو رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا واضح اصول و قانون ہے۔ یا تو خود فائدہ اٹھاؤ

ورنہ دوسروں کے لئے چھوڑ دو، تاکہ دوسرے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس اصول کے پیش نظر اسلامی قانون یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی شخص حکومت کی عطا کردہ زمین کو تین سال سے زیادہ مدت تک بخر خالی یعنی افتادہ حالت میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تین سال کے عرصہ تک اس کو زراعت یا عمارت یا کسی دوسرے کام میں استعمال نہیں کرتا تو یہ زمین متروک سمجھی جائے گی۔ کوئی دوسرا شخص اسے اپنے استعمال میں لے آئے تو اس پر دعویٰ نہیں کیا جاسکے گا اور اسلامی حکومت کو بھی یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ یہ زمین لے کر دوسرے ضرورت مندوں کو دے جو اس کو استعمال کر کے اپنی ضروریات پوری کریں۔

۴۔ جو شخص براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانوں میں سے کوئی چیز لے اور اسے اپنی کوشش و محنت اور قابلیت و صلاحیت سے اس کو کارآمد بنائے وہ اس چیز کا مالک ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق دنیا میں تمام مالکانہ حقوق کی ابتداء اسی طرح ہوئی ہے۔ جس مباح چیز کو جس نے کارآمد بنایا وہ اس کا مالک ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے اپنے استعمال میں رکھے اور دوسرے اسے استعمال کرنا چاہیں تو ان میں سے اس کا حادضہ لے۔ یہ تصور انسان کے سارے معاشی معاملات کی فطری بنیاد ہے۔

## غلط فہمی کا ازالہ

یہاں پر معاشی نظام کے سلسلے میں رزق میں مساوات کا تصور بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جو غلط فہمی شریعت کے خلاف ہے۔ اس عدم مساوات سے بھی اسیری اور غریبی کو منتخب اللہ یعنی مجبور سمجھا جاتا ہے۔ اللہ ایسا نہ بنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرح طرح کی نعمتوں کو تقسیم کرنے کے لئے مساوات کو ملحوظ نہیں رکھا۔ بلکہ نظام ربوبیت کی اپنی حکمتیں ہیں جس کی بناء پر بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ خوب صورتی، خوش الحالی، تندرستی، جسمانی و دماغی طاقت، وقت اور پیدائشی ماحول سب کو یکساں میسر نہیں ہے۔ ایسا ہی مطالبہ رزق کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مطلق فطرت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں کے درمیان رزق میں تفاوت ہو۔ اسلام جس مساوات کا قائل ہے وہ رزق میں مساوات نہیں بلکہ وہ حصول رزق کی جدوجہد کے مواقع میں مساوات ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے میں ایسی فاقہ فاشی نہ رہے کہ کچھ



حلال کے لئے ترسنا اور بنیادی ضروریات زندگی کا میسر نہ آنا۔ ان کو ہم منجانب اللہ غریبی محمول نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب غلبہ اسلام کے لئے کوشش کریں تاکہ سب کو اسلام کی برکات نصیب ہوں۔ جس سے ایسے خدشات کا خاتمہ ہو سکے۔ اس کے لئے آپ کو مخلص قیادت کی رہنمائی اور سرپرستی میں اپنی صلاحیتیں وقف کرنا ہوں گی باقی آپ ہمارے مشن اور تحریک سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

### کیا صدقات و خیرات تقدیر کے منافی ہیں؟

سوال: کیا صدقات و خیرات سے بیماری رفع ہو سکتی ہے؟ اور موت مل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: صدقات و خیرات کی قرآن و حدیث میں بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ صدقہ و خیرات کی برکت سے بیماری کا رفع ہو جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدقہ آفات و بلیات کو نال دیتا ہے

بیماری کا رفع ہونا صحت کی علامت ہے اور صحت و تندرستی عمر کا تقاضا کرتی ہے ہر حال صدقہ و خیرات کرتے رہنا چاہیئے۔ اس سے ظاہری و باطنی امراض کا خاتمہ ہوتا ہے۔ صدقہ و خیرات کی اہمیت کو کسی طرح کم نہیں کیا جاسکتا۔

### کیا پرندوں کو فصل سے روکنا تقدیر کے منافی ہے؟

سوال: محترم حسینی صاحب میرے ایک دوست کی دھان کی فصل ہے جو پک چکی ہے پرندوں کے جھرمٹ صبح و شام فصل پر انڈے چلے آتے ہیں اور انہوں نے فصل کی حفاظت کے لئے نوکر رکھا ہوا ہے اور دوسرا دوست یہ کہہ کر منع کرتا ہے کہ بردار نے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوا ہے لہذا شرعی اعتبار سے پرندوں کو نہیں روکنا چاہیئے۔ کیا یہ فی الواقع درست ہے؟

جواب: شریعت اس بات سے ہرگز نہیں روکتی کہ آپ اپنی کوشش کی حد تک کھیتی کو

حائل نہ ہوں جن کی بناء پر کوئی شخص اپنی قابلیت و صلاحیت اور طاقت و قوت کے مطابق معاشی تک و دونہ کر سکے۔ اور ایسے امتیازات باقی نہ رہیں جو بعض طبقات، خاندانوں کی پیدائشی خوش نصیبی و خوش بختی کو مستقل قانونی تحفظات میں تبدیل کر دیتے ہوں۔ یہ دونوں طریقے بنیادی طور پر فطرت نامساوات کی جگہ زبردستی ایک مصنوعی نامساوات قائم کرتے ہیں۔ جس کو جو ماحول پیدائشی طور پر ملا ہے وہ اسی پر رہ کر معاشی جدوجہد میں شریک ہو۔ جس کو پیدائشی ماحول میں یار ملی ہے وہ اس پر سوار ہو کر کوشش کرے اور جس کو پیدائشی ماحول میں سائیکل ملا ہے وہ اس پر سوار ہو کر جدوجہد اور تک و دو کرے۔ معاشی جدوجہد میں اسلام مساوات کا قائل ہے۔ سائیکل والا محنت کر کے موٹر لے سکتا ہے۔ اور موٹر کار والا اپنی نااہلی سے غریب ہو جائے تو وہ پیدل مارچ کرے۔ کوشش و جدوجہد میں کسی کو روکا نہیں جاسکتا۔

۵۔ اسلام لوگوں کے دلوں میں رحم پیدا کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے سکون و اطمینان کا سبب بنیں۔ اسلام معاشرے میں معذور، بے وسیلہ، ایلانچ لوگوں کی خدمت کے لئے مستقل ادارہ کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔ جو ان کی خدمت میں کاربند رہے۔ اس ادارہ کا کام ہے جو لوگ بعض مجبوروں کی بناء پر معاشی جدوجہد میں گر پڑیں۔ ادارہ انہیں اٹھائے اور ان کو پھر سے معاشی جدوجہد میں شریک کرے۔ یعنی اتفاقات کی صورت میں مدد و اعانت کرے۔ اسلام نے اس سلسلے میں شرد ذکوۃ کا نصاب مقرر کیا ہے تاکہ یہ <sup>موجودہ</sup> لوگوں کے کام میں آئے جس سے غربت کا خاتمہ ہو۔ یہ ایک ایسا اجتماعی انشورنس ہے جس کی موجودگی میں کوئی شخص معاشرے میں بنیادی ناگزیر ضروریات زندگی سے کبھی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے صدقات و خیرات کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کی قرآن و سنت میں بہت بڑی تفصیلت بیان کی گئی ہے۔ اسلامی نظام کی صورت میں کوئی شخص فاقوں کی نصیب میں نہیں آتا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور قول ہے:

”اگر دنیا و جملہ کے گھارے کوئی کتاب بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن مجھ عمر فاروق سے حساب ہو گا۔“

”کیا ہمارے حکمران اس خدا شناسی سے آراستہ و منور ہیں؟“

”ان کو اسلام سے غبت ہے؟“

میرے بھائی



پرندوں کے نقصان سے بچانے کے لئے نوکر رکھیں نوکر رکھنے کے باوجود اگر پرندے فصل کھائیں تو آپ کی طرف سے صدقہ ہے۔ پرندوں کے ساتھ بے دردی یعنی ہر وقت غلیل کھائے ان کی جان کے ور پے رہنا درست نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ جل شانہ کی جتنی مخلوق ہے وہ مفت میں نہیں کھا رہی بلکہ اس کے عوض کوئی نہ کوئی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔ یہ پرندے کھیت کو تباہ کرنے والے نہ جانے کتنے کڑوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ پرندے کڑے مار دوائیوں سے کہیں زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

چین نے چڑیوں کو ملک سے ختم کرنے کا نصاب یہ بھٹکا کہ کھیتی کی کھیتی ان کڑیوں کی نذر ہو گئی یعنی جتنا نقصان چڑیوں نے کیا اس سے ہمیں زیادہ نقصان کڑیوں نے کر دیا تب کہیں ان پر منکشف ہوا کہ پرندوں کی کیا مصلحت ہے کوشش نہ کرنا توکل کے خلاف ہے۔ نوکر رکھیں لیکن حد سے زیادہ سختی بھی بہتر نہیں ہے۔

### کیا پسند کی شادی نہ کر سکتا تقدیر الہی سے ہے؟

سوال: محترم صحنی صاحب میرے گھر والوں نے میری پسند کے بغیر میری شادی کر دی ہے جو مجھے راس بھی نہیں آئی بلکہ میں اس کے کردار سے بھی مطمئن نہیں ہوں تو جب میں گھر والوں سے کھلوہ و شکایت کرتا ہوں تو میرے والدین مجھے یہ کہہ کر خاموش کرا دیتے ہیں کہ ”تیری قسمت یہاں تھی“ کیا والدین کا ایسا رویہ روا رکھنا شرعی اعتبار سے درست ہے؟

جواب: اگر آپ کے والدین کے نزدیک تقدیر کا معنی مجبوری ہے تو یہ تصور صریح نصوص کے مخالف ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

(فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) (نساء: ۳۴)

”جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو“

آیت کریمہ سے صاف السانی اختیار کا اظہار ہو رہا ہے۔ لہذا آپ کو اس سلسلے میں ازدواجی زندگی کے انتخاب کی شرعی حیثیت کا خلاصہ عرض کر دیتا ہوں جس سے آپ کوئی سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو رشتہ ازدواج میں ہرگز ہرگز مجبور نہیں

ی۔ اس مغالطے میں رہنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی ترغیب دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات دے کر ہر ہر موڑ پر رہنمائی بھی فرمائی۔ نکاح کے لئے میں سب سے پہلے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ بیوی کے انتخاب کا معیار کیا ہو؟ اس میں وہ معیار سامنے رکھنے کی تعلیم دی ہے جس سے نکاح کے فوائد اور مقاصد کے لئے میں مدد ملتی ہے اور زوجین کی زندگی خوشگوار تر بن جاتی ہے میاں بیوی ایک دوسرے کے حقیقی رفیق اور نمبر نمبر بن جاتے ہیں۔

میاں بیوی کے ازدواجی تعلق میں ان مقاصد کا حاصل ہونا نہ ہونا زیادہ تر عورت کے مزاج اور اس کے اوصاف پر موقوف ہوتا ہے اگر بیوی ان خوبیوں اور اوصاف سے مست ہو جو خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں تو میاں بیوی کی زندگی خوشگوار ہوگی۔ رشک اور ان دونوں کی دنیا جنت کا نمونہ بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھی عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیا ہے۔

استفاد المومن بعد تقوي اللہ خير الہ من زوجة صالحة ان امرها اطاعته وان طر اليها سترته وان اقسم عليها براته وان غاب عنها نصحتہ في نفسها وماله (واہ ابن ماجہ)

مومن کو تقویٰ کے بعد سب سے زیادہ اچھی بیوی سے فائدہ پہنچتا ہے (اور اچھی بیوی کے اوصاف یہ ہیں) جو شوہر کی فورا تفصیل کرتی ہو، شوہر کو اس کی طرف دیکھ کر خوش ہو، صلہ ہوتی ہو اس پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھالے تو وہ اسے پورا کر دیتی ہو شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال کو ضائع نہ کرتی ہو اور بیوی اپنی خدمت سے بھی اسے کسی طرح کا رنج نہ پہنچنے دیتی ہو۔

ہمارا نوجوان طبقہ عام طور پر جذبات سے مغلوبیت کی بناء پر حسیں صورت کو عین سیرت پر ترجیح دیتا ہے تمام اوصاف سے زیادہ خوبصورتی کی خواہش رکھتا کو تاہ اندیشی سے سوا کچھ بھی نہیں خوبصورتی جلد متغیر ہو جانے والا وصف ہے اور اس کا عام طور پر فائدہ کیا گیا ہے فقط خوبصورتی کی خواہش پر کئے جانے والے رشتے دوسرے تیسرے بچے کی پیدائش پر چاہتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تسکح المرأة لاربع لعمالها ولحسبها وجمالها فاظفر بذات الدين (رواه البخاري)  
 "عورت سے نکاح کرنے کی رغبت (عموماً) چار چیزوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ۱۔ دولت۔ ۲۔  
 - خلدانی وجاہت۔ ۳۔ خوبصورتی۔ ۴۔ اور دینداری"

تم دیندار عورت سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ یعنی دیندار عورت سے  
 نکاح کرو یہی بڑی کامیابی ہے۔

قابل ترجیح وصف دینداری ہے جس شخص کو دیندار بیوی مل جائے وہ خوش  
 نصیب اور کامیاب ہے کیونکہ حقیقی دینداری عورت کو تمام حقوق ادا کرنے، برائیوں سے  
 بچنے اور ہر قسم کی خیر خواہی پر آمادہ کرے گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شوہر کی اطاعت،  
 اپنی عصمت کی حفاظت، مال و متاع کی نگرانی، خرچ میں کفایت شعاری، اولاد کی تربیت  
 اور شوہر کی خیر خواہی وغیرہ تمام کام باحسن اسلوب انجام دے گی۔

جس طرح بیوی کے انتخاب میں دینداری کو ترجیحی وصف قرار دیا گیا ہے اسی  
 طرح شوہر کا بھی یہی وصف لائق ترجیح ہو گا کیونکہ دینداری شوہر کو بیوی کے حقوق ادا  
 کرنے پر جس درجہ پر آمادہ کر سکتی ہے دوسری کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ دیندار آدمی عورت  
 کو پسند کرے تو تب قدر اور پیار کرے گا، اگر ناپسند کرے تو وہ ظلم نہیں کرتا۔  
 میان بیوی دونوں کی طبیعتوں میں فرق اور مزاجوں میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے فہمائے  
 کرام نے فقہ کی کتابوں میں انہی حکمتوں اور مصطلحوں کی بناء پر کفو کا باب شرعی عنوان  
 کے طور پر رقم کیا ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کوئی بھی ہوشمند انسان انکار نہیں کر سکتا کہ  
 ماحول اور طرز معاشرت کے اختلاف سے مزاجوں اور عاداتوں میں عموماً اختلاف پیدا ہو  
 جاتا ہے جس کا تفصیلی ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے ہاں لڑکے اور لڑکی کے والدین  
 افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں ایک طبقہ والدین کا ایسا ہے جو لڑکے اور لڑکی کو بتانا  
 تو بہت سمجھتے ہیں اور ناواقفیت کی بناء پر شریعت کے بھی خلاف سمجھتا ہے جو حالانکہ ایسا  
 نہیں ہے۔

دوسرا طبقہ والدین کا ایسا ہے جو مغربی تقلید میں اتنا آگے ہے کہ لڑکے اور  
 لڑکی کو مکمل آزاد کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں شریعت نے راہ اعتدال کا درس دیا ہے

جس کو اپنانے سے عائلی پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور آپ کی پریشانی بھی یہی ہے۔  
 تقدیر کو خواہ مخواہ نہیں کوسنا چاہیے۔ کیونکہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے اور اختیار کے  
 باوجود تقدیر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا کوئی قرینہ انصاف نہیں ہے۔

شریعت نے محظوبہ (منکبتر) کو دیکھنے کی اجازت دی ہے کہ نکاح سے پہلے  
 دونوں ایک دوسرے سے ضروری واقفیت حاصل کر لیں تاکہ ہر اقدام سوچ سمجھ کر ہو غور  
 و فکر کے بعد ہو اور کسی کو بعد میں پچھتانا نہ پڑے اسی غرض سے دیکھنے کی اجازت دی  
 گئی ہے حالانکہ بعضی مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے لیکن جس سے رشتہ  
 طے ہونے والا ہو اس کو دونوں دیکھ سکتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا:

اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ينظر الي ما يدعوه الي نکاحها فليفعَل  
 رواہ ابو داؤد

"جب تم عورت کو نکاح کا پیغام دو (یا دینا چاہو) تو اگر یہ ممکن ہو کہ اس کے وہ اوصاف  
 دیکھ سکو جو نکاح میں مطلوب ہیں تو ضرور ایسا کر لو۔"

محدثین کے نزدیک دیکھنے اور پسند کرنے کا عمل پیغام دینے سے پہلے ہونا  
 چاہیے۔ اس طرح ہونے سے لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو پتہ نہیں چلتا کیونکہ  
 ناپسندیدگی کی صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء (سرپرستوں) کی بدنامی نہیں ہوتی۔ امام نووی  
 فرماتے ہیں:

لم يشترط استبذانها ولا انها تستحي غالبا من الاذن ولان في ذلك وتعزير افر بما  
 واثها فلم تعجبه فيتركها فتتكر وتفاذي به ولهذا قال اصحابنا يستحب ان يكون  
 نظره اليها قبل الخطبة حتي ان كررها تركها من غير اذى بخلاف ما اذا تركها  
 بعد الخطبة (صحيح مسلم شرح نووي)

"دیکھ لینے کی عورت سے اجازت لینا ضروری نہیں کیونکہ وہ اکثر اجازت دینے میں شرماتی  
 ہے اور اس میں گویا ایک طرح کی سزا بھی ہے کہ دیکھنے کے بعد پسند نہ آئی اور نکاح نہ  
 ہوا تو اس کی دل شکنی ہوگی اور وہ تکلیف محسوس کرے گی اس لئے ہمارے علماء نے کہا  
 ہے کہ پیغام دینے سے پہلے ہی دیکھنا بہتر ہے تاکہ اگر نکاح نہ ہو تو بھی اسے کوئی خاص  
 اذیت نہ پہنچے اس کے برعکس جب پیغام دینے کے بعد چھوڑے گا" (تو بہت اذیت  
 پہنچے گا)

اس مسئلے میں ہماری گزارش والدین سے یہ ہوئی کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کے لئے پانچ باتیں کہ وہ دے ہو کر اچھی ازدواجی زندگی بسر کریں۔ اور اولاد کو بھی جائز معیار بیوی کا مقرر کرنا چاہیے اور والدین اولاد کی جائز خواہشات کی قدر کریں۔ اور اولاد پر بدین کی جائز خواہشات کی قدر کریں تاکہ مستقبل میں زندگی ازدواجی سکون و اطمینان کے ساتھ بسر ہو سکے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی ہی تعلیمات پر عمل ہونے لگے تو اسے بے گناہوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور ان تعلیمات پر عمل کرنے میں انسان مختار ہے مجبور نہیں ہے اور نہ ہی ایسا گناہ کرنا چاہیے۔ اپنی کوشش کرنے کے بعد تقدیر پر راضی رہنا ہی منشاء شریعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی کوشش و محنت و ضائع بھی نہیں فرماتا۔

**کیا انسان برا عمل کر کے شیطان یا تقدیر کے ذمہ کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہے ؟**

سوال : محترم حسینی صاحب پچھلے دنوں ہمارے ہاں ایک قتل ہوا ہے قاتل گرفتار ہو جانے کے بعد کہتا ہے کہ مجھے شیطان نے ایسا کرایا حالانکہ میں کرنا نہیں چاہتا تھا اور اس کے علاوہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا نوشہ تقدیر ایسا تھا کہ میں قاتل ہوں کیونکہ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی کیا قاتل کا ایسا کہہ کر سزا سے بچنا شرعی ہو سکتا ہے ؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب : سب سے پہلے شیطان کی حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے۔ شیطان محض قوت کا یا انسان ہی کے کسی رجحان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ جنات میں سے ہے اور جن انسانوں کی طرح ایک مستقل مخلوق ہیں شیطان کو ہضم پر قبضہ کر کے بالجبر کوئی کام کرا لینے کے اختیار نہیں دیئے گئے ہیں وہ صرف نفس کو ترغیب دینے، اکسانے اور برے کاموں کی طرف مائل کرنے یا وساوس اور شہوات ڈالنے کا کام کر سکتا ہے۔ انسان چاہے تو اس کی ترغیبات کو رد کر کے اپنے ارادے سے ایک راہ اختیار کر سکتا ہیں۔ اسی لئے خیر و شر میں تمیز کرنے کے لئے عقل دی گئی ہے لہذا کوئی برا فعل کر کے شیطان کے ماتھے تھوپنا یا اس سے بری الزمہ ہو جانا یا قرار دیا جانا شریعت کے خلاف ہے اس کا شریعت

میں کوئی وجود نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے قتل عمد کے بارے میں ارشاد فرمایا :

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْبَالِحِ (الانعام ۱۵۲)

”اللہ تعالیٰ نے جس انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے اسے ناحق قتل مت کرو۔“

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فُجْرًا هُوَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء: ۹۳)

”جو کوئی کسی مسلمان کو عمدہ قتل کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار رکھے گا۔“

آیت سے ثابت ہوا انسان کو اختیار دیا گیا ہے اگر انسان نوشہ تقدیر کے سامنے مجبور ہوتا تو اللہ رب العزت قرآن مجید میں اس کی مذمت نہ فرماتا اور عذاب کی وعید نہ سنائی جاتی۔ کیونکہ یہ حکمت کے خلاف ہے کہ ایک چیز میں انسان کو مجبور کرے پھر اس پر عذاب کی وعید فرمائے۔ بلکہ عذاب اسی چیز پر ہو جس کے بارے میں اختیار بھی دیا گیا ہو کرنے یا نہ کرنے کا اس کے بغیر وعید عذاب لغو ہوگی۔

لہذا ایسے شخص کا قتل کر کے یہ حیلہ جوئی، بہانے کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا یہ حیلہ جوئی، بہانے، فریب، دھوکہ دہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پچھلے صفحات غور سے پڑھیں آپ اجازت، حکم مشیت کا فرق سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ افعال قبیح جن کی حرمت بار بار فرمائی ہے کیا اس کے مرتکبین پر راضی ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔

**کیا موجودہ اقتدار اللہ رب العزت کی رضا سے ہے ؟**

سوال : محترم حسینی صاحب پچھلے دنوں سے میرا اپنے بڑے بھائی سے جھگڑا ہو رہا ہے اس کا موقف ہے کہ کائنات میں کوئی پتہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا لہذا محترمہ بے نظیر بھٹو یا میاں نواز شریف کا برسر اقتدار آنا اللہ رب العزت کی رضا اور حکم سے ہی ہے اور وہ مثال یہ دیتا ہے کہ نوکر اسے رکھا جاتا ہے جسے پسند کیا جاتا ہے کیا اللہ رب العزت بغیر اپنی رضا کے اس کی حکومت برداشت کر لیتا ہے مجھے اس معاملے میں آپ کی مناسب علمی راہنمائی کی ضرورت ہے لہذا میری فرما کر جواب سے

اس مسئلے میں ہماری گزارش والدین سے یہ ہونے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کے لیے بچہ کو ان کے والدین سے ہوا کہ اچھی زودا جی زندگی بسر کریں۔ اور اولاد کو بھی جائز معیہ ہوئی کا مقرر کرنا چاہیے اور والدین اولاد کی جائز خواہشات کی قدر کریں۔ اور اولاد والدین کی خواہشات کی قدر میں تاکہ مستقبل کی زندگی زودا جی سکون و صحت کے ساتھ بسر ہو۔ ہمارے معاشرے میں اس قدر تعلیمات پر عمل ہونے لگے تو بہت کم ہوں گے۔ محفوظ رہا جاسکتا ہے اور ان تعلیمات پر عمل کرنے میں انسان مختار ہے مجبور نہیں ہے اور نہ ہی ایسا گلوہ کرنا چاہیے۔ اپنی کوشش کرنے کے بعد تقدیر پر راضی رہنا ہی منشاء شریعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی کوشش و محنت کو ضائع بھی نہیں فرماتا۔

**کیا انسان برا عمل کر کے شیطان یا تقدیر کے ذمہ کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہے ؟**

سوال : محترم حسینی صاحب پچھلے دنوں ہمارے ہاں ایک قاتل گرفتار ہو جانے کے بعد کہتا ہے کہ مجھے شیطان نے ایسا کرایا حالانکہ میں کرنا نہیں چاہتا تھا اور اس کے علاوہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا نوشہ تقدیر ایسا تھا کہ میں قاتل ہوں کیونکہ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی کیا قاتل کا ایسا کہہ کر ہمارے پچھا شرعی ہو سکتا ہے ؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب : سب سے پہلے شیطان کی حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے۔ شیطان محض قوت کا یا انسان ہی کے کسی رحمان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ جنات میں سے ہے اور جن انسانوں کی طرح ایک مستقل مخلوق ہیں شیطان کو جسم پر قبضہ کر کے بالجبر کوئی کام کرا لینے کے اختیار نہیں دیئے گئے ہیں وہ صرف نفس کو ترغیب دینے، اکسانے اور برے کاموں کی طرف مائل کرنے یا دوسرے اور شہات ڈالنے کا کام کر سکتا ہے۔ انسان چاہے تو اس کی ترغیبات کو رو کر کے اپنے ارادے سے ایک راہ اختیار کر سکتا ہیں۔ اسی نے خیر و شر میں تمیز کرنے کے لئے عقل دی گئی ہے لہذا کوئی برا فعل کر کے شیطان کے ماتھے تھوپنا یا اس سے بری الذمہ ہو جانا یا قرار دیا جانا شریعت کے خلاف ہے اس کا شریعت

میں کوئی وجود نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے قتل عمد کے بارے میں ارشاد فرمایا :

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي جَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام ۱۵۲)

”اللہ تعالیٰ نے جس انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے اسے ناحق قتل مت کرو۔“

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاءُ ۖ هُوَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ

وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء: ۹۳)

”جو کوئی کسی مسلمان کو عمدہ قتل کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار رکھے گا۔“

یہ آیت سے ثابت ہوا انسان کو اختیار دیا گیا ہے اگر انسان نوشہ تقدیر کے سامنے مجبور ہوتا تو اللہ رب العزت قرآن مجید میں اس کی مذمت نہ فرماتا اور عذاب کی وعید نہ سنائی جاتی۔ کیونکہ یہ حکمت کے خلاف ہے کہ ایک چیز میں انسان کو مجبور کرے پھر اس پر عذاب کی وعید فرمائے۔ بلکہ عذاب اسی چیز پر ہو جس کے بارے میں اختیار بھی دیا گیا ہو کرنے یا نہ کرنے کا اس کے بغیر وعید عذاب لغو ہوگی۔

لہذا ایسے شخص کا قتل کر کے یہ حیلہ جوئی، ہانے کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا یہ حیلہ جوئی، ہانے، فریب، دھوکہ دہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پچھلے صفحات غور سے پڑھیں آپ اجازت، حکم مشیت کا فرق سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ افعال قبیح جن کی حرمت بار بار فرمائی ہے کیا اس کے سرکشیمن پر راضی ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔

**کیا موجودہ اقتدار اللہ رب العزت کی رضا سے ہے ؟**

سوال : محترم حسینی صاحب پچھلے دنوں سے میرا اپنے بڑے بھائی سے جھگڑا ہو رہا ہے اس کا موقف ہے کہ کائنات میں کوئی پتہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا لہذا محترمہ بے نظیر بھٹی یا میاں نواز شریف کا برسر اقتدار آنا اللہ رب العزت کی رضا اور حکم سے ہی ہے اور وہ مثال یہ دیتا ہے کہ نوکر اسے رکھا جاتا ہے جسے پسند کیا جاتا ہے کیا اللہ رب العزت بغیر اپنی رضا کے اس کی حکومت برداشت کر لیتا ہے مجھے اس معاملے میں آپ کی مناسب علمی راہنمائی کی ضرورت ہے لہذا میری فرما کر جواب ت



جواب: سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ ایسے معاملے میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ محترمہ یا محترم کا برسرِ اقتدار آجنا حق و باطل کا امتیاز نہیں ہے نہ ہی دونوں اسلام کے علمبردار ہیں کہ ایک کی حمایت کی جائے تو دوسرے کی مہممت دونوں کی فقط کر سی (اقتدار) کی جنگ ہے۔ وہ اپنی کر سی کے لئے اور وہ اپنی کر سی کے لئے دین کو استعمال کرتے ہیں لہذا آپ مہربانی فرما کر خواہ مخواہ آپس میں دشمنی نہ برھائیں کیونکہ دونوں ایک ہی دنیا کے درخت کی شاخیں ہیں وہ آپس میں اکٹھے ہو جائیں گے آپ آپس میں بھائی دور نہ ہوں باقی آپ کے محترم بھائی صاحب کو قرآن مجید کی جس آیت سے یہ اشکال ہوا ہے وہ درج ذیل ہے:

قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتزول من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير (آل عمران: ۲۶: ۳۰)  
 "اے محبوب! اے دنیائے جہان کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بڑائی حیرے۔ یا تھہ میں ہے۔"

اس آیت میں اللہ رب العزت کی مشیت بیان کی گئی ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ پوری کائنات مشیتِ خداوندی کے ماتحت ہی چل رہی ہے اس کا منکر کافر ہے اور اگر اس آیت کا مضمون اللہ رب العزت کا حکم اور راضی ہونے کا لے لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا تاریخِ عالم میں جن جن بادشاہوں (فرعون، نمرود، عداو، ہامان وغیرہ) کی طرف سے جو ظلم و ستم، کفر و فسادات پھیل گئی وہ اللہ رب العزت کی طرف سے تھی کیونکہ بقول ان لوگوں کے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت عطا کر کے مسلمانوں پر مسلط کیا تھا۔ حق و باطل دونوں کو اللہ رب العزت کی رضا نصیب ہو تو پھر ان میں تمیز کیسے کی جائے گی۔ ثواب کن کے لئے ہوگا اور عذاب کن کے لئے

سمجھنے میں غلطی گئی ہے۔ کہ سب حکومتیں مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہی قائم ہوتی اور ختم ہوتی ہیں۔ کیونکہ حکمِ اجازت، ارشاد اور مشیت، قدرت مختلف المعانی الفاظ ہیں اگر ان کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر اللہ رب العزت کی طرف ظلم و زیادتی

قرآن مجید میں ہے اللہ رب العزت ظلم کرنے والا نہیں ہے اللہ رب العزت نے کفر سے برأت کا اظہار یوں ہے۔

تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ۔  
 اگر تم کفر کر دو گے تب شک اللہ تعالیٰ تم سے ہے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر بجالاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تم پر راضی ہوگا اللہ رب العزت نے اچھائی کی نسبت اپنی طرف اور برائی کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ حق و باطل میں کس کو منتخب کریں۔"

کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ وہ فلاں کو منتخب کرے اور وہ فلاں کو منتخب نہ کرے ایسا نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو ثواب و عتاب عیب قرار پائیں گے لہذا آپ خود سوچیں کہ جن کے دورِ اقتدار میں دین کو مذاق بنایا جائے اسلامی شعائر مٹانے کی کوشش کی جائے اور سود کو قبول کر کے اللہ رب العزت کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا جا رہا ہو کیا ایسے دورِ حکومت کو آپ اللہ رب العزت کی رضا سے سمجھ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت دین کی مخالفت ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتا آپ کتاب کے پچھلے صفحات بھی غور سے پڑھیں مسئلہ واضح ہو جائے گا باقی آپ موجودہ حکمران اور اپوزیشن کو بہتر سمجھتے ہیں اور ان دونوں کے دورِ اقتدار میں اسلام کی خدمات کو بھی دیکھ چکے ہیں میرا کچھ کہنا تحصیل حاصل ہو گا جہاں تک ان دونوں کے درمیان فرق کی بات ہے تو وہ ملک کی عوام بھر جاتی ہے کہ ماضی میں میاں صاحب کا کردار قدرت سے بہتر رہا ہے جس کی مثال یوں پیش کی جاسکتی ہے کہ ایک برا کام دکھا کر کرتا ہے اور دوسرا وہی کام چھپا کر کرتا ہے کرتے دونوں ہیں لہذا ان دونوں کے اقتدار کو اللہ رب العزت کی اجازت و ارشاد و حکم سے تعبیر نہیں کر سکتے ماتحت مشیتِ باری تعالیٰ ضرور ہیں۔

کیا قادری صاحب کا الیکشن میں کامیاب نہ ہونا ممکن تقدیرِ الہی سے ہے؟

سوال: محترم حسین صاحب میرا ایک دوست رضا علی ہیں۔ کہتا رہا ہے کہ اگر قادری صاحب اللہ رب العزت کو پسند ہوتے تو ضرور کامیاب ہوتے بن کا ایسے جتن لگانے کے



باوجود اقتدار میں نہ آسکا ناپسند ہونے کی دلیل ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ تقدیر کو بھی یہی منظور تھا کہ قادری صاحب اقتدار میں نہ آئیں کیا اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟  
مہربانی فرما کر جواب سے نوازیں؟

جواب: قادری صاحب کی علمی، دینی، تحقیقی، تعلیمی، تنظیمی خدمات کو سمجھنے کے باوجود ان کے کردار کا موجودہ حکمرانوں کے کردار کے ساتھ تقابلی کرنا انتہائی ظلم و زیادتی ہے اور ان کا اقتدار میں نہ آسکا اللہ رب العزت کے ناپسند ہونے کی دلیل بالینا بھی حاکمیت و حاکمیت ہے اگر اقتدار ہی حق کی علامت ہوتا تو پھر تاریخ اسلام میں بڑی بڑی شخصیات مورد الزام ٹھہریں گی۔ حالانکہ اقتدار حق کی علامت نہیں ہے کیونکہ اکثرین دین و ملت اقتدار کے بغیر زندگی گزارتے رہے اور ساری زندگی وہ غلبہ اسلام کی جنگ بھی لڑتے رہے جب وہ کوششیں کرنے کے باوجود غالب نہ ہو سکے تو کیا ہم ان کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں؟ کیا ہم ایسے احباب سے سوال رکھنے کا حق رکھتے ہیں؟ کہ اکابر صحابہ اکابر دیباہ کے بارے میں کیا کہیں گے ان کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے تو آج ان کو کیوں الزام دیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اتنی ہے کہ کوئی شخص مصدوم نہیں ہے۔ ہر شخصیت میں خیر و شر دونوں موجود ہوتے ہیں کہیں شر غالب اور کہیں خیر غالب ہوتا ہے۔ غلبہ حق کی بھلی کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جرنی بگاڑ کی اصلاح کے لئے جرنی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کلی بگاڑ کی اصلاح کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ بگاڑ کلی ہے اور اس کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے یہ یقینی ہے کہ وہی قوتوں کا اتحاد نہ ہو سکا لیکن انفرادی کوششوں کا ملحد و اجر ضائع نہیں جاتا اللہ رب العزت دلوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے کہ غلبہ حق کی بھلی کے لئے کون کون شخص اور کون کون شخص ہے۔ اکثر اوقات ظاہری باطن کی عکاسی کرتا ہے۔

قادری صاحب قید سے نکلے بعد بعض مسائل میں خود اختلاف ہے اور یہ اختلاف کئی عرصے سے چل رہا ہے۔ غلبہ حق کی بھلی کے لئے ان کی تحریک ظلم و ستم و آفرین ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کو اقتدار نہ ملتا یعنی اسلام کا غالب یا مغلوب ہونا کن وجہ کی بنا پر ہوا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے جو ہم تحریر منہاج القرآن عروج و زوال کے تناظر کے پس منظر انقلاب میں کرتے گئے کہ علیہ اسلام کا

میں یہیوں برقرار نہ رہ سکا۔ قادری صاحب کا الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکنے و نشہ قدرت، مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا بلکہ اس سلسلے میں ناقص منصوبہ بندی اور عوام کا تصور ہے کہ جس نے اپنے ارادہ و اختیار سے وہی قوتوں کو مسترد کیا۔ کیونکہ وہی قوتوں کا ماضی قریب میں کوئی خاص سیاسی کردار نہیں رہا۔

اسلام کی شیطانی تعبیر و تشریح کرنے سے عوامی ذہن میں بن گیا ہے کہ اسلام دین نہیں مذہب ہے جو فقط نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا نام ہے اس وجہ سے سیاست میں علمائے کرام کا کردار سامنے نہ آسکا نظام انتخاب جو ہمیں انگریزوں سے وراثت میں ملا ہے اس کو بدلنے کی ضرورت ہے یہی نظام تمام خرابیوں کی جڑ ہے اس کو بدلنے کا اللہ رب العزت نے ہم تمام کو اختیار دیا ہے اسی اختیار ہی کی بناء پر حق و باطل کی معرکہ آرائی ہے اس نظام کا نہ بدلنا اور کامیابی کا نہ ہونا اللہ رب العزت کی رضا سے نہیں ہے نہ ہی ہمیں رضا الہی پر محمول کرنا چاہیے یہ کہنا درست ہے موجودہ حالات سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے اور اس کا نام تقدیر ہے تقدیر کا معنی مجبوری نہیں ہے جو سمجھا جاتا ہے۔

### خودکشی اور تقدیر

سوال: محترم مسیحی صاحب خودکشی کرنے والا ہمیں کرنے سے پہلے کہا کرتا تھا کہ میری موت میرے ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہے لہذا میں نے اپنے آپ کو ختم کرنا ہے کیا ایسا شخص سزا سے بچ سکتا ہے؟ نیز اس کا نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر جواب سے نوازیں۔

جواب: خودکشی کرنا اللہ رب العزت نے حرام قرار دیا ہے اور اس کا حرام قرار دیا جانا انسانی اختیار کی دلیل ہے اور یہ اختیار ہی سزا کی دلیل ہے انسان کو مجبور نہیں کیا گیا

بلکہ اللہ رب العزت کے علم قدیم میں یہ سب کچھ تھا جو اب ہو رہا ہے۔ برا کام کرنے سے پہلے تقدیر کا حیلہ بنانا جتنا جھوٹ و فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ باقی جہاں تک نماز جنازہ کا تعلق ہے اس میں باہمی اختلاف ہے قابل ترجیح مسلک یہی ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ مومن گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا اور جو شخص دائرہ اسلام و ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس کے لئے مغفرت کی دعا جائز ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ خودکشی

معمولی لغزش نہیں ہے۔ خودکشی ایک کبیرہ گناہ ہے احادیث صحیحہ میں ان پر دوزخ کی وعید مذکور ہے۔

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

”کہ جس آلہ قتل سے کوئی شخص اپنی جان لیتا ہے دوزخ میں وہی اس کے لئے آلہ عذاب بن کر اس پر دائمًا مسلط کر دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ بار بار خودکشی کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ ایسا نفل اخیالی بڑی اور اپنے پروردگار سے بدگمانی اور ناشکری پر دلالت کرتا ہے جو ایک مسلمان کے لئے کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

کیونکہ انسان اپنی جان کا خود خالق و مالک نہیں ہے جب چاہے جس طرح چاہے اسے ضائع کر دے اپنی ذات پر ملکیت حاصل نہیں ہے تاہم ایسا شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا نماز، جنازہ پڑھنا، جنازہ ہے اللہ رب العزت اسے معاف فرمانے پر قادر ہے خواہ سزا کے بعد ہی کیوں نہ معاف فرما دے لیکن خودکشی کرنے والے کا یہ کہنا کہ لکھا ایسا تھا غلط ہے ہاں یہ کہنا چاہیئے کہ اللہ رب العزت کے علم قدیم میں سب کچھ تھا کہ انسان دنیا میں کیا کیا کرے گا وہ آغاز و انجام جانتا تھا اور اسی کا نام تقدیر ہے تقدیر کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

### نوشتہ تقدیر اور شہادت امام حسینؑ

سوال: محترم صبیحی صاحب محرم الحرام میں آپ کی تقریر بعنوان فلسفہ شہادت امام حسینؑ سننے کا موقع ملا ہے جو ہمارے احباب نے بہت پسند کی ہے قرآن و سنت کے دلائل اور منطقی و عقلی دلائل نے تو تقریر میں رنگ بھر دیا تھا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی بڑی کامیاب رہی تحریر کے حوالے سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔

قادر صاحب کے حوالے سے شکوک و شبہات کا ازالہ کافی حد تک ہو گیا ہے آپ کے بعد ہم پر سوال کیا گیا ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت تو نوشتہ تقدیر سے ہوتی ہے جو کچھ ہوا ہے سب کچھ تقدیر ہی سے ہوا ہے۔ یزید کا کوئی قصور نہیں۔ لہذا لعنت نہیں کرنی چاہیئے۔ مابقی فرما کر جواب سے نوازیں تاکہ ان کا مناسب علمی جواب دیا جاسکے اور ہم جواب کو اشتہاری صورت میں شائع کر کے مساجد میں آویزاں کریں گے۔

جواب: حوصلہ افزائی کا ٹکریہ جناب امام حسینؑ کی شہادت عقلی پر تقدیری احکام کا سرور سے یزید ملعون کو بری الزمہ قرار دے دینا پوری تاریخ عالم کو مسح کر دینا ہے۔ بات بنیاد پر یہ کہ بری الزمہ ہونے پر نہیں رکے گی بلکہ وہ باطل تمام قوتیں جو حق کے خلاف تھیں رہا ہیں ان کو بری الزمہ قرار دیا جائے گا گویا کہ اس طرح انبیاء کرامؑ کے جہان میں کو بھی بری الزمہ قرار دینا ہو گا۔ (فرعون، نمرود، ہامان، شداد، ابولہب، وغیرہ وغیرہ)

بغض حسینؑ کی اشاعت کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم تنہا حسینؑ کا بغض نہیں خرید رہے بلکہ ان تمام نفوس قدسیہ کا بغض خرید رہے ہیں جنہوں نے معرکہ حق و باطل میں نمایاں کردار ادا کیا ایسی ذہنیت کے لوگ تقدیر الہی کے جھوٹے حیلے اور برہانوں سے باطل قوتوں کو کبھی بھی بلند نہیں کر سکتے اور نہ ہی باطل اپنی سزا سے بچ سکتا ہے۔

باطل کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے اعلان ہے:

واملیٰ لہم ان کیلیدی متین

دھیل دی جاتی ہے تاکہ باطل اپنی تمام سرکشیوں کے انجام تک پہنچ سکے ایسے نالائقوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کے اس اعتراض کے وہی دشمن عناصر کتنے خوش ہوئے ہوں گے کہ ہمارا وجود بھی ایک نعمت عقلی ہے کیونکہ ہمارے بغیر بھی دنیا جی نہیں سکتی۔ تقدیری الہی کوئی انسانی فعل کی مجبوری کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت کے علم قدیم ازلی کا نام ہے کہ جو کچھ ہوا وہ سب کچھ اللہ رب العزت کے علم قدیم میں تھا ایسے لوگوں کو حق و باطل میں کامیابی کے اصول معلوم نہیں ہیں کہ ناکامی و کامیابی کسے کہتے ہیں لہذا یاد رہے کہ حق کی ناکامی اور باطل کی کامیابی اصلاً کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کامیابی و ناکامی کا تعلق خود انسان سے ہے۔ ناکام وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے فوائد و ثمرات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے حق و صداقت ایک اصول ہے خواہ اسے ساری دنیا قبول کرے یا کوئی ایک شخص بھی قبول نہ کرے بہ حال حق و صداقت اپنی جگہ مسلم ہے اس پر وہی اثر نہیں پڑے گا کامیاب وہ انسان ہوں گے جو حق و صداقت کو رز جان بنالیں گے۔

دیکھئے روشن اپنی جگہ مسلم ہے ایک شخص اسے پسند نہیں کرتا۔

انا هدینا السبیل اما شکرنا و اما کفورا۔ (الدھر ۲۹: ۳)

”یقیناً ہم نے اسے راستہ دکھا دیا اب وہ شکر گزار ہو یا ناشکر!“

وہدینہ النجدین (البلد ۳۰: ۱۰)

”اور ہم نے انسان کو نیکی اور بدی دونوں واضح راستے دکھا دیئے۔ نیکی و بدی کو اختیار کرنے کا قلعہ تقدیر معلق ہے اور تقدیر معلق میں انسان مختار ہے مجبور نہیں۔ ہدایت و گمراہی کو اختیار کرنے میں تقدیر مہرم اور تقدیر معلق کا تعلق یوں ہو گا۔“

اللہ تعالیٰ خالق مخلوق ہونے کی وجہ سے مخلوق کے انجام خیر اور انجام شر کو جانتا ہے اللہ رب العزت نے اپنے علم میں جان لیا کہ جب میں جناب علی المرتضیٰؑ کو پیکر و عمر و نور عجب، عتیق، شبیب، الوجل وغیرہ کو پیدا کروں گا تو ان میں سے کون ہدایت کو اپنائے گا اور کون کون اسے ٹھکرائے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں جانا کہ انجام یہ ہو گا اور اسے لوح محفوظ پر تحریر کر دیا اسے تقدیر مہرم کہتے ہیں اور ہدایت و گمراہی کی دو الگ راہیں یہ ان کے لئے تقدیر معلق کا درجہ رکھتی ہیں اور اللہ رب العزت کا جان لینا انسان کے مجبور ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اللہ رب العزت کا علم تدریجاً نہیں ہے

سوال : محترم حسینی صاحب جواب ملا پڑھ کر کافی علی تشفی ہوئی لیکن تقدیر مہرم اور تقدیر معلق میں اللہ رب العزت کا علم تدریجاً لازم آتا ہے تو کیا اللہ رب العزت کے لئے علم تدریجاً کا عقیدہ رکھنا درست ہے ؟

قدیم دلی میں ہونا یزید کی مجبوری افعال نہیں ہے بلکہ وہ اپنے افعال میں مختار نمایاں ہے۔ یہ مشکل بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے کربلا میں ایسی مظلوم و انیس ہونے دی۔

اس کا صاف جواب یہی ہے کہ اللہ رب العزت بعد میں دین کا ٹھکانہ کرنے والوں کے لئے ان اکابر کی سیرت کو اسود کامل و حسنہ کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا ایسی شخصیات کی قربانیوں کو دلائل کے طور پر پیش کیا کہ اسلام کے نام پر کیا کچھ ٹھاپا جاتا ہے اور کیسے جائیں دی جاتی ہیں۔ ظلم و ستم، وحشت و بربریت، ظلم و نا انصافی کے خاتمے کے لئے قربانی حسینؑ درکار ہوتی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے جناب امام حسینؑ کی مدد کیوں نہ فرمائی اگر فرمائی تو پھر یہ کیوں قربان ہو گئے ؟ یہ سوال اصل حقیقت کو نہ سمجھنے کی بناء پر ہوا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظلم و ستم کا نام فتح و نصرت ہے اور خدا داد قدرت و طاقت کے ساتھ اسلام و ایمان اور حق و صداقت پر قائم و ثابت رہنے ہوئے جان و مال اور اولاد تک قربان کر دینا عاجزی ہے۔

اللہ رب العزت اس دہشت کی تردید فرماتا ہے :

ان نضرو و اللہ ینصرکم یشہد اقدامکمہ (محرر)

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں حق پر ثابت کر دے گا۔“

وحشت و بربریت کے ساتھ فتح و غلبہ حقیقتاً غالب نہیں مغلوب ہونا ہے۔ فتح و غلبہ وہ ہے جو ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کے خلاف عدل و انصاف اور نیکی کا علم بلند کرتا ہے اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دشمن کی بے پناہ قوت و طاقت اس کے عزم و استقلال سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے اور وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اس کے ہاتھ سے اس کے ایمان کو نہیں چھین سکتی یہاں تک کہ وہ ظلم و نا انصافی کے ہاتھوں شہید ہو جاتا ہے۔ یہ عاجزی نہیں ہے یہ شکست نہیں بلکہ فتح و کامیابی ہے۔ آزمائش میں ثابت قدم رہنا اللہ رب العزت کی طرف سے انعام و اکرام ہے اگر ہم اس خود ساختہ تصور کی بناء پر جناب امام حسینؑ کے جہاد میں ”تاہد ایزدی“ کی نفی کرتے ہیں تو پھر میرا ان احباب سے سوال ہے :

اللہ رب العزت فرماتا ہے انا لنصر رسولنا "جے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرورت  
کرتے ہیں۔"

۱۳۳

معلومات کا اظہار ہوتا ہے۔ بارش کا ہونا یا نہ ہونا تو نظام قدرت کا ایک حصہ ہے یہی وجہ  
ہے کہ اکثر پیشین گوئیاں غلط بھی ثابت ہو جاتی ہیں اسی طرح ماہرین فلکیات چاند اور  
سورج کے گرہن کی پیشین گوئی کرتے ہیں یہ درست بھی ہوتی ہیں اور غلط بھی۔ چاند  
سورج کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وجعل الليل سكنا والشمس والقمر حسبانا ذالك تقدير العزيز العليم  
(الانعام ۹۳)

"اور اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا اور سورج اور چاند کا ایک حساب مقرر کیا (ان  
دونوں اجرام کا نظام) ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا مقرر کیا ہوا ضابطہ ہے۔"

والقمر قدرونہ منازل (یسین: ۳۹)

"رات اور دن کا ضابطہ اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے۔"

کائنات کا ہر وجود ایک معین و مقرر سمت کی جانب رواں دواں ہے اس سفر  
کے دوران پیش آنے والے واقع کی کوئی نہ کوئی علت اور غایت ضرور ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے ہر علت کے ساتھ معلول اور ہر سبب کے ساتھ مسبب کو  
لازم کر دیا ہے۔ اور جو لوگ اس کائنات کے کسی حصے یا کسی نظام کو جان جاتے ہیں ان  
کے واقعات کی رفتار کا رخ متعین کرنا اور ان کے وقوع کو ٹھیک ٹھیک گھڑیوں کے ساتھ  
کا جان لینا مستقل نہیں ہوتا لہذا ماہرین فلکیات اور ماہرین موسمیات اپنی پیشین گوئیوں

کے ذریعے نظام کائنات کی سمت اور جہت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اور ایسا کر بھی نہیں  
سکتے یہ لوگ فقط علامات کو جان کر آنے والی ایک طے شدہ حقیقت کا اظہار کرتے ہیں یہ  
پیشین گوئیاں کسی واقع کا علم ہے اور یہ علم بھی ظنی ہوتا ہے۔

یہ جان لینا کسی واقع کا علم اس کے وقوع کی مجبوری اور قید نہیں بن سکتا پس  
اس طرح اللہ رب العزت کا علم کسی انسان کی مجبوری نہیں ہو سکتا۔

تقدیر کے بارے میں کرید کرید کر گتھگو کرنا منع ہے

سوال: محترم حسینی صاحب ہمارے علاقہ کے مولوی صاحب اکثر مسئلہ تقدیر پر  
تقریریں کرتے ہیں جس کی وجہ سے عوام الناس میں اس مسئلے کی نسبت بھوک و شبہات

تو بنائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں یا نہیں؟  
اگر ہیں اور بے شک ہیں تو پھر کفار کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی یا نہیں  
کی؟ جواب آپ کے ذہن میں ہے ہم لوگوں کا جو معیار ہے وہ مدد ہوتی یا نہیں؟ اگر کہو  
کہ نہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی تکذیب لازم آتی ہے اور اگر کہو تو پھر بتاؤ اللہ  
تعالیٰ جو تمام قدرتوں کا مالک ہے اس کی مدد کے ہوتے ہوئے کفار اتنی دہشتیں پہنچانے  
میں کیسے کامیاب ہوئے؟ اگر آنحضرتؐ کو کوئی قدرت حاصل نہ تھی اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر  
قادر تھا پھر ایسا کیوں ہوا؟

جناب امام حسینؑ کی شہادت مظلومہ پر منفی سوال کرنا حقیقتاً ذات نبوتؐ پر ہوگا  
اس کا تفصیلی جواب تو انوار نبوت جلد ثانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ خدا کی قائم مصیبتیں  
برداشت کرنا ہمارے لئے نمونہ ہے کہ ایسی مشقتوں کے باوجود حق و صداقت کا علم کیسے  
بلند کیا جاتا ہے؟ اجر و استقامت کے ساتھ باطل کو کیسے پاش پاش کیا جاتا ہے تاکہ آنے  
والی مسلمان نسلیں اس راہ پر چل کر دین دشمن سامراج کا مقابلہ کر کے غلبہ حق کی بحالی  
کے لئے اپنی جائیں قربان کر سکیں۔ باقی رہا یزید ملعون پر لعنت کرنا تو اس پر تمام امت  
کا اجماع ہے کہ وہ لعنتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت پر آہ و بکا کرنا بہت  
بڑی عبادت ہے۔ یہی رونا عبادی ہے اور اس رونے کا مقصد مظلوم کی حمایت ہے اور  
ان کے خون کی تلافی۔

موسمی پیشین گوئیوں کی حقیقت

سوال: محترم حسینی صاحب ہمارے ایک مہربان دوست نے آپ سے سوال کیا ہے  
کہ جب تقدیر الہی لکھے جانے کا نام نہیں ہے تو پھر موسمی حالات کی پیشین گوئیاں  
کیوں کی جاتی ہیں؟ ان پیشین گوئیوں کی کہاں تک حقیقت ہے جواب سے ناگزیر تاکہ  
ان سے جواب پہنچا سکوں؟

جواب: محکمہ موسمیات کی طرف سے کسی علاقے میں بارش کا نہ ہونے کی پیشین گوئی  
یعنی نہیں ہوتی بارش برمانے یا نہ برمانے میں محکمہ موسمیات کو کوئی عمل دخل نہیں  
ہوتا یہ تو محض بدعت ہے۔ مختلف مخصوص نشانات اور علامات کی تفسیر پر منحصر



”قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان اول ما خلق الله القلم فعل له اكتب  
قال ما اكتب قال اكتب القدر. فكتب ما كان وما هو كائن الى الابد (رواه الترمذي)  
”رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت نے سب سے پہلے قلم کو  
پیدا فرمایا۔ پھر اسے فرمایا لکھو: اس نے کہا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تقدیر لکھو  
تو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو کچھ ہو چکا تھا اور آئندہ ہوگا۔

وہ احادیث جن میں تقدیر کے تبدیل ہونے کا بیان ہے

حدیث نمبر ۱:

”قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا  
علي طاعتك (رواه المسلم)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دلوں کو پھیرنے والے اللہ تعالیٰ  
ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ یعنی دعا تقدیر کو تبدیل کر سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۲:

”قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا يزيد في العمر الا الله - ولا يرد  
القدر الا الدعاء - وان الرجل ليخرم الرزق بخطيئة يعملها (رواه ابن ماجه)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمر میں نیکی ہی کے ذریعے اضافہ ہوتا  
ہے اور تقدیر کو دعا ہی تبدیل کر سکتی ہے اور یقیناً آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے  
محروم کیا جاتا ہے۔

ان احادیث کو پڑھنے کی وجہ سے آپ کے ذہن میں سوال یہ پیدا ہوا کہ کس  
طرح ممکن ہو سکتا ہے تقدیر اٹل بھی ہو اور اس میں تبدیلی بھی ممکن ہو سکے۔

علمائے اہل سنت نے ان احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے تقدیر کی  
تقسیم بیان کی ہیں جن کی وجہ سے ان احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور تضاد و  
تناقض ختم ہو جاتا ہے۔

۱۔ تقدیر مہرم

۲۔ تقدیر معلق

۱۔ تقدیر مہرم: مہرم برم سے مشتق ہے جس کے معنی پختہ، مضبوطی، اٹل،  
تبدیل نہ ہونا کے آتے ہیں۔ (المفردات)

یعنی اس میں اٹل اور فیصلہ کن امور کا ذکر ہوتا ہے۔ پس جن احادیث میں  
تقدیر کے تبدیل نہ ہونے کا بیان ہے وہ تقدیر مہرم ہے مثلاً قیامت کا آنا، لڑکا یا لڑکی  
ہونا وغیرہ۔

تقدیر معلق: معلق تعلیق سے مشتق ہے جس کے معنی میں ٹکنا، وہ امور جو فیصلہ  
کن نہ ہوں بلکہ جن کا تعلق عمل سے ہو اچھا عمل ہو تو نتیجہ اچھا اور برا عمل ہو تو نتیجہ  
سرا یعنی جیسا عمل ویسا نتیجہ۔

تقدیر مہرم اور تقدیر معلق کا خلاصہ

تقدیر مہرم کا تعلق اللہ رب العزت کی قدرت کے ساتھ ہے اور تقدیر معلق کا  
تعلق مخلوق کے ساتھ ہے۔ تقدیر مہرم میں انسان مجبور محض ہے اور تقدیر معلق کا

تعلق مخلوق کے ساتھ ہے۔ تقدیر مہرم میں انسان مجبور محض ہے اور تقدیر معلق میں  
انسان مختار ہے۔ تقدیر مہرم کے متعلق اللہ تعالیٰ کسی سے باز پرس نہیں فرمائے گا کیونکہ  
اس میں کسی انسان کا دخل نہیں۔ تقدیر معلق کے متعلق اللہ تعالیٰ باز پرس فرمائے گا  
کیونکہ اس میں انسان کے فعل کو دخل ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قد جاءكم بصائر من ربكم فمن ابصر فالتفت به ومن عمى فعليه وما آتاهم عليه  
بحيفظ - (الانعام: ۱۱۴)

”بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں آئیں۔ تو جس نے  
آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو یہ اسی کے اپنے فائدے میں ہے اور جو اندھا بنا اس کا  
تقصیر ہی کے ذمہ ہے اور جس نے تم پر گمان نہیں۔



آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ ٹھوکر خود ہی کھائے گا ناکام وہ خود ہی ہوگا۔  
روشنی کی ناکامی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روشنی کی طرف چل کر جانا پڑتا ہے۔  
ظلمت و تاریکی کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا لیکن جو کوئی دنیا میں روشنی (دین)  
پھیلانا چاہے اسے دیئے، چراغ، تیل کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ حق و باطل کی کشمکش کو  
قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے۔

وما خلقنا السماء والارض وما بينهما الا بالحق ولولا ردنا ان نتخذ لهما ولا تخذلنا  
لندنا ان كنا فاعلين بل نقذف بالحق على الباطل فيدمر معه فاذا هو زاهق (الانبیاء)  
”اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اسے کھیل اور تماشے کی  
حیثیت سے پیدا نہیں کیا اگر ہم چاہتے کہ اسے سامانِ تفریح بنائیں تو ہم یقیناً (بغیر کسی  
حکیمانہ نظر کے) اسے ایسا ہی بنا لیتے بشرطیکہ ہم بھی کرنے والے ہوتے لیکن (ہم نے  
ایسا نہیں کیا) بلکہ کائنات کو بڑے محکم اصولِ حکمت کے ساتھ بنایا ہے جس کے مطابق  
ہم حق کو باطل سے بکھراتے ہیں۔ پھر (حق) اور (باطل) کا سرچل دیتے ہیں یہاں  
تک کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے جو لوگ تقدیر ہی کی آڑ میں یزید کو بری الزمہ  
قرار دیتے ہیں یہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے مقصد و مدعا کو دیکھ لیں اور جھٹل کرنا  
چاہتے ہیں کہ کس مقصد و مدعا کے لئے کربلا کے مشکل میں حضرت قاسمؑ، حضرت علی اکبرؑ  
کی جوانیاں بے گور و کفن ہوئیں۔“

حضرت علی اصغرؑ کے چھ ماہ کا بچہ خون آلود ہوا، حضرت عباسؑ کے  
قلم کے لئے، حضرت زینبؑ کے گود کے دلارے نوٹ لئے گئے، حضرت ام ربیعہؑ  
حضرت ام لیلیٰؑ، حضرت فروہؑ کی جھولیاں بچوں کی رونقوں سے خالی ہو گئیں۔ یہ سب  
حضرت امام حسینؑ نے ٹھایا ایسی لازوال قربانی جو اسلام کی بھاء کے لئے دی گئی اس کو  
غدار کرنا گویا کہ آج کے یزیدوں کو سہارا دینا ہے۔ اس سلسلے میں تقدیر الہی کا معنی یہ  
ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی جملہ قربانی اللہ رب العزت کے علمِ قدیم میں تھی۔

مقام و مرتبہ حسینؑ طے ہو چکا تھا حسینؑ کے لئے اس خوبی منظر سے گزرنا  
یہ تھا لیکن یزید سب کچھ جانتا تھا کہ میں کس مقصد کے لئے لڑ رہا ہوں اور کس  
مقصد کے لئے لڑ رہا ہوں وہ بغض و حسد کینہ و عناد کی آگ میں جلنے والا جانتا تھا کہ حسینؑ  
کے نواسے ہیں۔ یزید کی شہادت اللہ رب العزت کے علمِ قدیم میں تھی۔ علم

واجب: اللہ رب العزت کا علم تدریجاً نہیں ہے بلکہ تمام امور اور ان کے انجام وغیرہ کا  
جزوی و کلی مکمل علم ایک دم سے ہے۔ یہ نہیں کہ اسے پہلے ایک چیز کا علم ہو پھر  
دوسری چیز کا بلکہ دفعۃً (ایک دم سے) ہے! تقدیر معلق کے انجام کو بھی وہ شروع سے  
جانتا ہے اس کا معلق ہونا بندوں کی نسبت سے ہے۔ اللہ رب العزت کی نسبت سے  
نہیں ہے لہذا اس سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ تبدیل ہو جانا بندوں کی نسبت سے  
ہے تاکہ بندے کے ارادے و عمل کا اختیار ثابت ہو جائے۔

کیا اچھا عمل نہ کر سکتا توفیق الہی سے ہے؟

سوال: محترم حسینی صاحب! میرے ایک دوست نماز نہیں پڑھتے اور جب میں ان کو  
پڑھنے کے لئے کہتا ہوں تو یہ جواب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق ہی نہیں دی میں  
کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی نہیں تو میرا کیا مقصود؟ اس کا یہ کہنا کہاں تک درست  
ہے؟ مہربانی فرما کر جواب سے نوازیں تاکہ اسے سمجھا سکوں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے توفیق ہی نہیں دی نماز کس طرح پڑھیں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی  
نہیں ہم زکوٰۃ کیسے دیں اس نے چاہا ہی نہیں ہم روزہ کیسے رکھیں؟ کیونکہ اگر وہ چاہتا تو  
ہم روزہ ضرور رکھ لیتے۔ اس نے چاہا ہی نہیں ہم برے افعال سے بچیں اگر وہ چاہتا تو  
ہم ضرور بچ جاتے اس قسم کے تمام پہلو موجبِ بلاست ہیں۔ کیونکہ ایسے جملوں میں  
غلطی و حکما کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے یہ اللہ رب العزت پر بڑا بہتان ہے۔  
قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكُذٰبُ لَا يَفْلَحُوْنَ - (يونس ۱۳: ۶۹)  
 — محبوبؑ فرما دیجئے یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اللہ رب العزت نے ہدایت و گمراہی کے راستے کھول دیئے ہیں۔ تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ جس کو چاہے قبول کرے اسی اختیار و آزادی کی وجہ سے جزا و سزا ہوگی۔

اللہ رب العزت ہر شخص کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور ہدایت اسے نصیب ہوتی ہے جو اس کا طالب ہو۔

اللّٰهُ يَهْدِي الْبَلَاءَ وَيُضِلُّ الْبَلَاءَ (الشورى: ۱۳)  
 "اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے قرب کے لئے چلے لیتا ہے اور اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

اللہ رب العزت اپنی طرف رجوع کرنے والے بندے کو ہدایت سے ضرور نوازتا ہے وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤَدِّنْ بِاللّٰهِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا - (البقرہ: ۲۵۶: ۳)

"وہ (میں) زبردستی نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے پس جو شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بے شک اس نے ایسا مضبوط و مستحکم چابو لکھی ٹوٹے والا نہیں۔"

لہذا قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہوا انکی توفیق الہی سے نصیب ہوتی ہے جو انکی واپس کی کوشش کرے بغیر کوشش کرنے کے توفیق الہی کا نہ ملنا خلافت عقل نبیؐ نہیں ہے جس طرح بیٹ پالنے کے لئے تگ و دو کی جاتی ہے اسی طرح ہدایت کو پالنے کے لئے بھی تگ و دو کی ضرورت ہے۔

برائی کر کے توفیق الہی کے نہ ملنے کی باتیں کرنا انسانی حماقت ہے۔ ایسے غیبی جملے کہنے سے انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لہذا آئندہ ایسے جملوں سے قفل پرہیز کریں۔

گمراہی خلقاً منجانب اللہ ہے عملاً منجانب اللہ نہیں

سوال: محترم حسین صاحب قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يَضِلُّ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ هُدً (الرعد: ۳۳)

"جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

یہاں پر گمراہی کو منجانب اللہ کہا گیا ہے مگر انسان گمراہی کرنے میں اللہ

تعالیٰ کی طرف سے مجبور ہے۔ کیا قرآن مجید تاہی مضمون ہے؟ یا نہیں؟

گمراہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے احادیث میں بھی منع کیا گیا ہے۔

## مختلف احادیث میں تطبیق کیسے؟

سوال : محترم حسینی صاحب مجھے دینی کتب کے مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ الحمد للہ میرے پاس دو ہزار کتب پر مشتمل لائبریری ہے جس میں صحاح ستہ کا ترجمہ بھی ہے جس کو میں کافی بار پڑھ چکا ہوں۔ مسئلہ تقدیر کے بارے میں ترمذی شریف، بخاری شریف، مسلم شریف میں ایسی احادیث ہیں کہ جن کے مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں مثلاً ترمذی شریف اور بخاری شریف میں ہے کہ تقدیر ایسا نوشتہ ہے جو تبدیل ہونے والا نہیں اور مسلم شریف اور ابن ماجہ میں ہے کہ تقدیر بدل جاتی ہے لہذا مجھے ان احادیث کے متعلق مناسب راہنمائی کی ضرورت ہے کہ کونسی احادیث ضعیف و کمزور اور کونسی احادیث صحیح ہیں؟

جواب : سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تقدیر کے متعلقہ جتنی بھی احادیث وارد ہیں ان کے متعلق علماء محدثین نے کمزور و ضعیف نہیں کہا اکثر احادیث ثقہ راویوں سے منقول ہیں جن دونوں طرح کی احادیث سے علمی مغالطہ پیدا ہوا ہے وہ یہ ہیں۔

وہ احادیث جن میں تقدیر کے تبدیل نہ ہونے کا بیان ہے

حدیث نمبر ۱:

”قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما منكم من أحد الا قد كتب مقعده من النار او من الجنة (رواة البخاري: ۲)“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں مقرر ہو چکا ہے۔“

یعنی ہر شخص کا دوزخی یا جنتی ہونے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

جواب : قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اصول تفسیر کا علم ضروری ہے کیونکہ ایک نکتہ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی میں تفصیلی بحث کریں گے۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی وہاں اضلال کے معنی گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ ”گمراہ پانے“ کے ہوں گے۔ جہاں ترجمہ میں گمراہ کرنے کے معنی لئے گئے ہیں وہ باعتبار تحقیق کے لئے لئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان علينا المهدى (اللیل ۱۳: ۴)

جہاں شہرہ و آسمان ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

ہوتی برائی کی تخلیق عمل پر کسی انسان کو مجبور نہیں کرتی بلکہ اچھائی و برائی حقیقتاً جنت و دوزخ کے وجود کا سبب ہیں اگر صرف اچھائی ہوتی تو انسان اچھائی کرنے پر مجبور ہو جاتا اور مجبوری باعثِ جِزاء و سزا نہیں اور جب اعمال پر جزا ہی ختم ہو جاتی تو جنت و دوزخ کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا کیونکہ جنت اچھائی کی جزاء ہے اور دوزخ برائی کی سزا ہے۔  
برائی پر سزا اکتساباً ہے خلقتاً نہیں ہے کیونکہ اس کو ہم عقل و شعور رکھنے کے باوجود کرتے ہیں۔

### اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر پر مجبور نہیں کیا

سوال : محترم حسینی صاحب! پچھلے دنوں سورۃ بقرہ کی تلاوت مع ترجمہ کر رہا تھا آیت نمبر ۲ میں مجھے اشکال پیدا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر پر مجبور کیا ہے (العیاذ باللہ) کیا یہ درست ہے؟  
جواب : كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی ابْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

”اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے برا عذاب ہے؟“

آپ نے یہ سمجھا ہے کہ مر لگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور مر کی وجہ سے ان میں ایمان لانے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس لئے وہ ایمان نہ لائے ہاں اگر ان کے دلوں پر مر نہ ہوتی تو شاید وہ ایمان لے آتے۔  
آپ کو قرآن مجید کا مقصد و مدعا سمجھنے میں غلطی لگی ہے اس وجہ سے آپ نے یہ مضمون اخذ کیا حالانکہ اس طرح کی دوسری آیات کا بھی مضمون یہ نہیں ہے کہ اللہ رب العزت نے مر لگا دی ان کے ایمان کے تمام دروازے بند کر دیئے۔

حقیقتاً مضمون قرآنی یہ ہے کہ جب وہ کفار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظمؐ کی نافرمانی کرتے ہوئے کفر کی ایسی گمراہی اور دلدل میں پھٹے جہاں ان کے دل کفر کی تاریکیوں سے سیاہ ہو گئے اس مقام سے لوٹنا ان کفار کے

### کیا برائی کی تخلیق انسان کو عمل پر مجبور کر سکتی ہے؟

سوال : محترم حسینی صاحب! میرے ایک دوست روزانہ بھی کہتے رہتے ہیں کہ کتنا اچھا ہوتا کہ اللہ رب العزت برائی کو پیدا نہ فرماتا تاکہ سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہو جاتی کیا یہ کہنا درست ہے؟

جواب : اصل میں عمل سے بچنے کے لئے ذہن میں شیطانی وساوس پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے بچنا چاہیے کیونکہ محدود ذہنیت کی سوچ بھی محدود ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت حکیم ہے۔ اور حکیم کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہے فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة جس کو ہم سمجھنے کی بجائے اس میں ٹھاکھ و عیوب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے کائنات بنائی اور اس میں قسم قسم کی نعمتیں رکھیں تاکہ انسان ان سے فائدہ حاصل کر سکے اور ہمیشہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔  
اچھائی ہوتی اور برائی نہ ہوتی تو اچھائی کی کوئی قدر و قیمت نہ۔

نئے ممکن نہ رہا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مر لگا کر اس بات کا اعلان فرمایا کہ ”ان کے کفر کی تمام تاریکیوں کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ حق قبول کرنے کی صلاحیت گنوا بیٹھے ہیں۔“

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ۔

”بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مر لگا دی یعنی یہ ان کفار کے اپنے کئے کا انجام ہے۔“

اللہ رب العزت نے ان کو کفر پر برگز مجبور نہیں کیا ہاں وہ خالقِ اول سے یہ جانتا تھا کہ کون کون کا فر اپنے کرتوتوں کی بناء پر نہیں گئے علمِ قدیم کی بناء پر یہ کفر پر مجبور نہیں کئے گئے۔ جس طرح کفر کی ابتداء گمراہیوں کو پالینے والا شخص ایمان قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے اسی طرح جو لوگ نورِ ایمانی سے منور ہو جاتے ہیں تو انہیں بھی کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جیسا

کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے کہا تھا:

إِنِّي آتِيهِمْ لِيُفْسِدَنَّكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا ۖ إِنَّمَا تَتَّبِعُكَ مِنَ الْغَوِينَ۔ (الحجرات: ۳۶)

”جے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں۔ ہاں گمراہوں میں سے جو تیری پیروی کرے۔“

گمراہی خلقاً معجانب اللہ ہے عملاً معجانب اللہ نہیں

سوال: محترم حسینی صاحب قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يَضِلُّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (الرعد: ۳۳)

”جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

یہاں پر گمراہی کو معجانب اللہ کہا گیا ہے یعنی انسان گمراہی کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجبور ہے۔ کیا قرآن مجید کا یہی مفہوم ہے؟ جو میں نے سمجھا ہے وضاحت فرمائیے؟

جواب: قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اصولِ تفسیر کا علم ضروری ہے کیونکہ

ایک آیت لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گی وہاں اضلال کے معنی گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ ”گمراہ پانے“ کے ہوں گے۔ جہاں ترجمہ میں گمراہ کرنے کے معنی لئے گئے ہیں وہ باعتبار تظہیق لئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت و گمراہی دونوں کا خالق ہے باعتبار تظہیق گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
إِنِّي عَلَّمْتُ اللَّيْلِي (الليل: ۱۳: ۳۰)

”بیشک راہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔“

جب ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہوا تو پھر وہ لوگوں کو خود کیوں گمراہ کرے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ ایک چیز کی مذمت کر کے پھر اسے پسند کرے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے نہ زبردستی ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت و گمراہی کو اختیار کرنا انسان کا فعل ہے اور اسی پر جزاء و سزا ہے۔ اور جس حدیث کا آپ نے ذکر کیا ہے:

الشقي من شقي في بطن امه والسعيد من سعدني بطن امه۔

”بد بخت ماں کے پیٹ میں بھی بد بخت ہے اور نیک بخت ماں کے پیٹ میں بھی نیک بخت ہے۔“

یہاں پر بھی یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بد بختی یا نیک بختی پر مجبور کیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خالق کائنات اور وہ سب کے انجام و خاتمے کو جانتا ہے کہ فلاں شخص دنیا میں جا کر کیا کیا کریں گے اور کس خاتمے پر ان کی موت واقع ہوگی اس وجہ سے کہا گیا۔ بدوں کو مجبور نہیں کیا گیا۔

سیکوری گارڈ یا محافظ رکھنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: محترم حسینی صاحب! جب موت کا وقت مقرر ہے تو اللہ تعالیٰ



ثواب پاتے ہیں اگر نیت واقعی درست ہو تو انہیں اللہ رب العزت ضرور نوازتا ہے۔ باقی ہمارے ہاں تو اکثر سیکورٹی گارڈ خود و نمائش کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ ہورایا کہ نہ والوں کو اپنے آپ کا محاسب کرنا چاہیے۔

بھی آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا تو پھر سیکورٹی گارڈ کیوں رکھے جاتے ہیں؟  
جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی صحابہ کرام حفاظت تھے اور وہ وقت تقسیم کر کے حفاظت کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی اس آیت کے اترنے پر محافظوں کی چھٹی کرا دی۔

وَاللّٰهُ يُمْصِلُكَ مِنَ النَّاسِ۔

”محبوب اللہ تعالیٰ تم کو دشمنوں سے بچائے گا۔“

اور ہمارے لئے حکم قرآنی ہے۔ لُحِذُوا حِذْرَكُمْ ”اپنی حفاظت کی تدبیر کرو۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اپنی زندگی کو محفوظ کرنے کے لئے تدبیر بھی نہ کریں تدبیر کرنا توکل کے خلاف ہے جب موت کا وقت مقرر ہے تو پھر معاش یعنی پیٹ پالنے کے لئے تنگ و دو کیوں کی جاتی ہے؟ کیا یہ تنگ و دو کرنا توکل کے خلاف ہے ہرگز نہیں۔ توکل تدبیر کرنے کے بعد ہے انسان سے جو کچھ ہو سکے وہ کر کے نتیجہ اللہ رب العزت پر چھوڑ دے کہ وہی قادر ہے اسی نے سب کچھ کرنا ہے۔

جو شخص یہ جانتا ہے کہ فلاں گلی میں میرے دشمن ہیں اور وہ میری جان کے ایسے دشمن ہیں جو موقع کی تلاش میں ہیں کیا یہی توکل ہو گا؟ کیا یہی عقلمندی ہو گی۔ اس گلی سے یہ کہہ کر گزر جائے کہ زندگی و موت کا ایک دن مقرر ہے یہ توکل اور عقلمندی کے خلاف ہے۔ حفاظتی تدبیر کر کے گزرنا ہی منشاء شریعت ہے اسی لئے اسلام نے جناد کے لئے بھی اصول بیان فرمائے ہیں جس حوالے سے آپ نے ذکر کیا ہے۔

ایسی شخصیات تو ملک و قوم کا عظیم سرمایہ ہوتی ہیں۔ دین دشمن عناصر ملک میں افراق رپی پھیلانے کے لئے انہیں ہی نشانہ تیر جاتے ہیں ان کی حفاظت تو شرعاً جائز ہے۔ ایسے لوگوں کی حفاظت پر تو حکومت کو خود توجہ دینی چاہیئے ان بزرگوں کی حفاظت کرنے والے محافظین پر ضرور اجر و

## نبوت دعا کرنے سے نہیں مل سکتی

سوال: محرم حسینی صاحب! میرے ایک قادیانی دوست ہیں جن کو میں نے شروع دن سے بحث و مباحثہ کرنے سے روک دیا تھا جس کی ہم دونوں نے کافی پابندی کی۔ کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ۔ ”دین میں جبر نہیں ہے۔“

لہذا ایک دن اس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

ایک سیدھے راستے کے طلب کرنے کے لئے دعا ہے تو کیا اس دعا کے ذریعے سے نبوت بھی مل سکتی ہے؟ مہربانی فرما کر اس کے ممکنہ خدشات کا ازالہ فرماتے ہوئے جواب سے نوازیں؟

جواب: نبوت و رسالت کا تعلق موبہت ہے۔ یعنی نبوت و رسالت عمل کرنے سے نہیں ملتی اور نہ ہی یہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صراط الذین اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا میں شامل ہے۔

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں نبی و رسول کے راستے پر گامزن ہونے کی طلب ہے نہ کہ خود نبی بننے کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت

طیبہ پر عمل کرنا ہی امتی کے لئے بڑا اعزاز ہے نبوت میں انسان کی جدوجہد و سعی کو کوئی دخل نہیں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَسَبِ رِسَالَتِهِ۔

”یعنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کس کو عطا کرے۔“

نبوت و رسالت خاندانی شرافت ، قوم کی سرداری اور بالاداری کے ذریعے حاصل ہونے والی متاع نہیں اور نہ ہی انسان کو اس کے حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ۔ کہنے ہی کائنات حاصل کر لینے کے بعد بھی کوئی اپنے اختیار سے یا زہد و عبادت کے زور سے نبوت و رسالت حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ نبی و رسول مامور من اللہ ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں ازل سے تاج نبوت عطا کرتا ہے ۔ آیت بیثاق میں مکمل وضاحت کی گئی ہے لہذا نبوت و رسالت کا تعلق کسب سے نہیں ہے ۔

نبوت و رسالت اختیاری چیز نہیں ہے کہ جس کو علی ، علی کمالات یا مجاہد و ریاضت یا دعاؤں وغیرہ کے ذریعے حاصل کیا جاسکے ۔ مجاہد و ریاضت پر ولایت کے درجات تو حاصل کیئے جاسکتے ہیں نبوت و رسالت ہرگز نہیں ۔ اصول و کلیہ یہی ہے کہ نبوت و رسالت کا تعلق وہب سے ہے کسب سے نہیں ۔ اور دعا کا تعلق امور کسب میں ہوتا ہے ، جیسے کوئی اپنے اختیار سے سید نہیں ہو سکتا پس اسی طرح نبی و رسول بھی نہیں ہو سکتا ۔

میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ الہی دوستی کو ترک کر دیں جو خطرہ ایمان کا سبب ہو کیونکہ اچھی صحبت کے اثرات اس وقت تک مرتب نہیں ہوتے جب تک انسان بری صحبت کو ترک نہ کر دے ۔

لہذا آپ الہی صحبت سے پرہیز کریں مہربانی ہوگی ۔ ہمراہ لوگ ہمیشہ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں ۔ محبت و پیار کے طریقے میں ایمان پر حملہ کرتے ہیں ان کا یہی طریقہ واردات ہے کہ خدمت وغیرہ کر کے ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں ۔ اپنا بنانے کے لئے پہلے پائل مادی فوائد و ثمرات مہیا کرتے ہیں پھر فوراً ایمان کو لوٹتے ہیں یہ لوگ منہ کے بڑے میٹھے ہوتے ہیں ۔ خیال کریں ۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریروں کے آئینے میں کذاب ہے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ہمیشہ یہی طریقہ ہستہ ہے کہ نبی جھوٹا نہیں ہو سکتا تو پھر مرزا قادیانی تو نبی بات کرنے کا عادی تھا اور اس کی تحریروں میں

سر کے بالوں سے بھی زیادہ تضاد ہے اور جس کی باتوں میں تضاد ہو وہ کبھی نبی نہیں ہو سکتا ۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں ۔ اور پھر ان کی کتابوں کے آئینے میں ان کا کذب بیان کیا جائے ۔ باقی ان سے دلیل طلب کرنا بالکل غلط ہے ۔

سوال : محترم حسینی صاحب! میرے ایک عزیز کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ علی و علی کمال انسان کو وراثت میں ہی ملتے ہیں گویا کہ صاحبان عقل و دانش ہی ہوا کرتے ہیں جن کے والدین ذہین و فطین ہوتے ہیں لہذا مہربانی فرما کر میرے عزیز کے لئے مفید باتیں لکھیں تاکہ وہ سکون و اطمینان حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم کی طرف توجہ دے ۔

جواب : ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔

”علی و علی کمال اللہ رب العزت کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے یعنی یہ اللہ رب العزت کی کرم نوازی پر منحصر ہے اور اللہ رب العزت کی ذات کسی انسان کی محنت کو ضائع نہیں کرتی ۔

يَنْتَهِزُ ارْتَابًا ۔ لَا تَمْنَعُ ۔

جتنی محنت ہوگی اسی حساب سے نتیجہ و ثمرہ ہوگا ۔

تسلیات کی کتابیں پڑھنے سے وقتی طور پر غلبہ ہو جاتا ہے لہذا حد سے زیادہ نفسیات کی کتابیں پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ طلباء پختہ مزاج و عقل نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر مریض ہو جاتے ہیں ۔

بہر حال ماحول کا کافی اثر ہوتا ہے بالخصوص والدین کے مزاجوں کا اولاد پر اثر ضرور ہوتا ہے لیکن اسے کلیہ و قاعدہ نہیں بنایا جاسکتا کہ نیکوں کی اولاد کا نیک ہونا لازمی ہے اور بروں کی اولاد کا برا ہونا لازمی ہے ۔ اس کے خلاف ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ بعض اوقات اچھے لوگوں کی اولاد بامراد ہو جاتی ہیں اپنے عمل و کردار کی وجہ سے ان میں والدین کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور کبھی بروں کی اولادیں اچھی رفاقتوں کے ملنے کی وجہ سے سلور جاتی ہیں ۔

لہذا میرے اس دوست کو محنت کرنی چاہئے اور محنت کا پھل ضرور

ملتا ہے۔ جتنے بھی لوگ نامور ہوئے ہیں سب محنت کی بناء پر ہوئے کیونکہ محنت کرنا اللہ تعالیٰ کا بڑا نفل ہے۔ لہذا انہیں ذلت کر محنت کرنی چاہیئے ناپوسی و ناپسندی اچھی نہیں ہے۔ صبح و شام ایک سو ایک (۱۰۱) بار اول و آخر عین بار درود شریف کے ساتھ یہ پڑھیں:

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا وَحِلْمًا وَتَقْوِي الصَّلَاةِ وَالسَّلَامَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

اللہ تعالیٰ بصدقہ محمد و آل محمد کرم فرمائے گا۔ اور ساتھ رب اشرف علیٰ صدیقی و یسری امر و احل عقدہ من لسانی یفقهو قولی کو بھی اسی تعداد کے ساتھ اضطرابی حالات میں انسان کی ذمہ داری و جوابدہی ختم

ہو جاتی ہے

(سوال) محترم حسین صاحب: کیا اضطرابی حالات میں انسان سے جوابدہی ہوگی؟ سوائی فرما کر جواب سے نوازیں۔

(جواب) انسان اپنی فطرت پر غور کرے تو اسے اپنے مختار یا مجبور ہونے کا جواب اپنی فطرت سے مل جائیگا۔ ہر شخص بغیر کسی غور فکر کے محض اپنی فطرت پر یہ تصور رکھتا ہے۔ کہ انسان اپنی ارادی حرکات و سکنات میں آزاد ہے۔ اور جو فعل اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے اس کے علاوہ وہ ذمہ دار و جوابدہ ہے۔ اچھے افعال و کردار لیئے جزا و انعام کا مستحق ہے۔ اور برے افعال کے لئے عتاب و سزا کا مستوجب۔

فطرت کے اس تصور میں اس خیال کا ثائب تک نہیں ہوتا۔ کہ انسان اپنے سوچے سمجھے افعال و اعمال میں کسی خارجی یا باطنی قوت سے مجبور ہوتا ہے۔ جہاں فی الواقع مقہوری و مجبوری کے آثار نظر آتے ہیں وہاں ارادہ و اختیار کے بجائے اضطرابی و بے اختیاری کا حکم لگایا جاتا ہے۔

اضطرابی حالات میں انسان کی ذمہ داری و جوابدہی ختم ہو جاتی ہے۔

دین دوم اور جزا و سزا کا استحقاق باقی نہیں رہتا۔ اور ایسے حالات میں انسان کے

تک پاب، اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ انسان کی فطرت اضطرابی حالات کا بھی خود جواب دیتی ہے۔ مثلاً۔

اگر کوئی ذی عقل شخص کسی کو ہتھ مارے یا گالی دے تو اس کے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ اس نے یہ فعل کسی طاقت کے جبر سے کیا ہے۔ اور اسی لئے وہ اس کو ذمہ دار قرار دے کر جواب میں ہتھ مارا گالی سے اس کی تواضع کرتا ہے۔ لیکن اگر وہی شخص، پاگل، دیوانہ ہو تو اس کی گالی، ہتھ مار کو کوئی بھی اس کے ارادہ و اختیار پر محمول نہیں کرتا بلکہ اسے مجبور و مقہور قرار دے کر تمام افعال کی ذمہ داری سے بری سمجھتا ہے۔

ہم ایک بچے یا دیوانے کو اس کے برہنہ ہونے پر کبھی عتاب نہیں کرتے۔

مگر ایک عاقل بالغ آدمی بحالت عریانی باہر نکل آئے تو اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کسی شخص کا منہ قدرتی طور پر خراب ہو تو کوئی اسے دیکھ کر نفرت نہیں کرتا۔ لیکن اچھے خاصے منہ والا ہمیں دیکھ کر منہ چلائے تو ہمیں ناگوار گزرتا ہے۔ اندھا آدمی اپنی چیز کے بجائے کسی دوسرے کی چیز اٹھا لے تو ہم اس پر چوری کا الزام نہیں لگاتے۔ مگر آنکھوں والا یہی حرکت کرے تو اسے فوراً پکڑ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بھلے اور برے دونوں کی تہیز و تہذیب فرمادی ہے۔

فَالْهَمُّهَا فَجُورُهَا وَتَقْوَاهَا (۸:۳۰)

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان فطرتاً افعال پر جزا و سزا کا حکم لگاتا ہے۔

اور جن حالات کو مجبوری و مقہوری سمجھتا ہے۔

شریعت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ دیکھو کہ اضطرابی حالات میں حکم بدل

جاتا ہے۔ اور جوابدہی و ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

عمومی حالات کا حکم مجبوری و مقبوری پر نہیں لگایا جاسکتا۔ اور مجبوری و مقبوری حالات والا حکم عمومی حالات کے لئے باقی نہیں رکھا جاسکتا۔  
اعظم اری حالات کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر فی الواقع وہ ایسے ہیں تو حکم بدلاجائے گا ورنہ نہیں۔

سوال : محترم حسینی صاحب! میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ ائمہ اہلبیت کو اللہ تعالیٰ نے ازل سے امامت سے نواز کر ہماری رشد و ہدایت کے لئے بھیجا ہے کیا ایسا عقیدہ درست ہے؟  
جواب : اللہ تعالیٰ ازل سے پوری کائنات کو جانتا ہے کہ کون کون دنیا میں رشد و ہدایت کے بیچارے ہوں گے اس علم قدیم ازل کے حوالے سے سب متقین سلف صالحین یکساں و برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو رشد و ہدایت پھیلانے سے پہلے جانتا تھا اس میں صحابہ کرام ائمہ اہلبیت کرام وغیرہ سب شریک ہیں۔

جہاں تک ائمہ اہلبیت کے مامور من اللہ ہونے کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ اسی بحث میں مسئلہ عصمت آجاتا ہے جو خاص نبوت ہے۔ یہ مسئلہ خلافت و امامت شیعہ سنوں میں وجہ اختلاف بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اصولی و بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر حادۃً امامت و مامور من اللہ کہا جائے تو پھر انتخاب خلفاء راشدین پر جو ایک تاریخی حقیقت ہے اس پر نوپڑتی ہے۔ اور اگر بغیر کسی حکومت و امامت کے اماموں کی بنیاد پر امامت و مامور من اللہ کہا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس طرح خلفاء راشدین کی خلافت برحق ہے ان طرح ائمہ اہلبیت علیہم الرضوان کے زہد و تقویٰ و خلوص و رعایا، رشد و ہدایت کے میدان میں امامت بدرجہ اتم برحق ہے۔ حضرت امام حسنؑ کے بعد باقی ائمہ اہلبیت بھی ظاہری حکومت یعنی خلافت کے اہل تھے بلکہ ان کا حق تھا جو بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں نے ان ائمہ اہلبیت اطہار پر ظلم کر کے ان کو قتل و غارتگری سے دوچار کیا جو ظلم و جور و رعبا عیا تاریخ کے اور اق اس ظلم و ستم

سے خون آلود ہیں۔

باقی یہ ظاہری حکومت کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے نزدیک خلیفہ برحق تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسباً و حساباً جو قرابتیں انہیں نصیب ہیں امت میں اور کسی کو بھی نصیب نہیں۔ لہذا تقرب نبویؐ کی بناء پر ان ائمہ اہلبیت کو باقی تمام سے زیادہ عصمت کی خیرات نصیب ہوئی جس کا ذکر آیت تطہیر میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

ان ائمہ اہلبیت عظام کو یہ عصمت ذاتی نہیں بلکہ تقرب نبویؐ سے دوگانہ نسبتوں کی بناء پر نصیب ہوئی ہے۔ اور صحابہ کرام کو حساباً تقرب نبویؐ نصیب ہے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ فِيهِمْ أَقْدَرُ مِنْهُ أَهْلُ بَيْتِي۔

اسی وجہ سے کسی صاحب بصیرت نے کہا کہ

صحاب رسولؐ و والے

اور آل رسولؐ گھر والے ہیں۔

سوال : محترم حسینی صاحب! کیا یہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ انسان جس مٹی سے پیدا ہوتا ہے ویسے پر مدون ہوتا ہے؟ اگر درست ہے تو مرابی فرما کر وضاحت فرمائیں؟

جواب : فتاویٰ افریقہ میں اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان صاحب بریلوی نے یہ حدیث نقل کی ہے:

وَيَا خِذِ الْقَرَابَ يَدْفَنُ فِي بَقْعَةٍ وَتَعْبَنُ بِدَلْفَتِهِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى مِنْهَا خُفِّنَاكَ وَفِيهَا نَعِيدُكَ۔ (فتاویٰ افریقہ ۸۵)

”فرشتہ وہاں کی مٹی لیتا ہے جہاں اسے دفن ہوتا ہے اسے نقطہ میں ملا کر گوندھتا ہے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں ہم تمہیں لے جائیں گے۔“



اس حدیث کو خطیب بغدادی اپنی کتاب "المستق والمرتق" میں بھی نقل کیا ہے۔ محدثین عظام کے نزدیک یہ ثقہ روایت ہے اس کو اکثریت اہل علم قبول کرتی رہی ہے پس انسان کی تخلیق اور قبر کا غیر ایک ہی ہوتا ہے۔ انسان جہاں کہیں دفن ہوتا ہے یہ سب کچھ تقدیر الہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ انسان کس خطہ زمین میں پیدا ہوگا اور کس خطہ زمین میں دفن ہوگا۔

مندرجہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ گنبدِ خضریٰ میں مدفون ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا گنبدِ خضریٰ میں دفن ہونا اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ جنتی ہیں کیونکہ جنتی ہی جنت کے مقام میں داخل ہو سکتا ہے۔ گنبدِ خضریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ لہذا اس وجہ سے عرشِ معلیٰ حلتہ العرش، جنت عدن، افلاک، دارہ سب مل کر بھی روضہ مطہرہ کی برابری نہیں کر سکتے۔ گنبدِ خضریٰ میں جلوہ افروز ایسا وجود مسعود اور فائز الحیات ہے جو پوری کائنات کی تخلیق کا سبب ہے۔ اور اس صحبت و رفاقت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو اعزاز حاصل ہے جو تمام صحابہ کرامؓ میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہے۔ لہذا یہ دونوں بزرگ صحابہ کرامؓ میں افضل قرار پائے۔

سوال: محترم حسینی صاحب! میرا ایک دوست کہتا ہے کہ پوری کائنات مسلمانوں کے لئے مسجد ہے لہذا جو جہاں کہیں بھی دفن ہوگا وہ سب یکساں اہمیت کی جائے مدفون ہوگی کیا سب مقام یکساں در برابر ہیں؟

جواب: اسکے اندر کوئی شک نہیں کہ پوری کائنات مسلمانوں کے لئے پاک ہے لہذا اسے مسجد بنایا جاسکتا ہے یعنی ہر جگہ نماز ادا کی جاسکتی ہے لیکن اس ضمن میں پوری کائنات کو یکساں فضیلت حاصل نہیں ہے جیسے نفسِ نبوت میں تمام انبیاء و رسل ایک ہیں لیکن مقام و مرتبہ میں فرق ہے۔ پس اسی طرح پوری زمین نفسِ طہارت میں تو ایک ہے لیکن بعض مقامات کو بعض

مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسے اپنے گھر سے زیادہ فضیلت کی حامل مسجد ہے اور عام مسجد سے زیادہ فضیلت کی حامل جامع مسجد ہے جہاں نماز جمعہ ادا کیا جاتا ہے۔

اس طرح پوری مساجد میں مسجد حرام افضل ہے اور ان سب مساجد میں مسجد نبویؐ افضل ہے۔ اور مسجد نبویؐ کی فضیلت کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قُرب ہے اس اعتراض کے پیچھے اعتقادی خرابی ہے جو ہماری خود ساختہ ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق ایک مقام کو دوسرے مقام پر فضیلت حاصل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر حج بیت اللہ کی سعادت گھروں میں ہی بیٹھ کر حاصل ہو جاتی۔ جو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

### مسئلہ تقدیر اور ضبط ولادت

سوال: کیا عزل اور منصوبہ بندی تقدیر کے مافی ہے؟

جواب: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے:

كنا تعزل فسالنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال او انكم تفعلون؟ قالها ثلثا مامن نسمة كائنة الى يوم القيامة الا وهي كائنة (رواه البخاري)

"ہم لوگ عزل کیا کرتے تھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا! کیا تم واقعی ایسا کرتے ہو؟ پھر فرمایا قیامت تک جو روح آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔"

یہی مقوم حضرت ابوسعید خدریؓ سے پندرہ اسناد اور مختلف الفاظ سے مسلم میں بھی موجود ہے۔ مسلم کی چار پانچ روایات میں اس مضمون سے پہلے یہ الفاظ ہیں۔

لا عليكم الا تفعلوا۔

"اگر تم عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپنے والی روح آکر رہے گی،

امام نووی نے اس کی شرح یوں کی ہے:

قوله عليه السلام لا عليكم الا تفعلوا ما كتب الله خلق نسمة هي كائنة الى يوم القيامة الاستكون معاناه ما عليكم ضرر في ترك العزل لان كل نفس قد لله



تعالیٰ خلقہ لابدان یخلقہا سواء عزلتم ام لاء۔ ومالم یقدر اللہ خلقہا لایقع سواء عزلتم لافلا فائدة فی عزلکم۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان (لا علیکم الا تفعلوا) کا مطلب یہ ہے کہ ترک عزل میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کیونکہ جس روح کی آفرینش کو اللہ رب العزت مقدر کر چکا ہے اسے تو وہ پیدا کر کے ہی رہے گا خواہ تم عزل کر دیا نہ کرو اور جس کی آفرینش کو اللہ رب العزت نے مقدر نہیں کیا وہ وجود میں نہیں آئے گا خواہ تم عزل کر دیا نہ کرو اس لئے تمہارے عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

امام نووی کی شرح سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں :

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن العزل فقال ! ممن کل الماء یكون الولد لو اود الله خلق شیء۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہر پانی سے تو اولاد نہیں ہو جاتی (یعنی جس طرح ہر مادہ تولید سے اولاد نہیں ہو جاتی اسی طرح ہر عزل سے اولاد نہ نہیں جاتی بلکہ یہ تو قدرت کے کھیل ہیں جو اولاد مقدر ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے)۔

یہاں پر یہ تو بتایا گیا ہے کہ مقدرات کو عزل نہیں روک سکتا لیکن اس کی ممانعت نہیں کی گئی بلکہ اس نے ایک اور حقیقت یہ کہ کئی بے رحم و بنیاد جنس پیدا نہیں کرتا بعض ہی پیدا کرتا ہے اسی طرح ہر عزل و لاؤ کو جنس روکتا ہے جس رویتا ہے جنسی سینکڑوں جنسی اختلاط میں کوئی ایک اختلاط کامیاب ہو کر اولاد پیدا کرتا ہے اسی طرح سینکڑوں عزل میں کوئی ایک ہی عزل ناکام ہو کر اولاد کو وجود میں لے آتا ہے اور جس پر یہ عزل تقدیر کے ساتھ ہے بس اور بے فائدہ ثابت ہوتا ہے۔

عزل ہمیشہ بے فائدہ ثابت ہوتا تو ایسے بے فائدہ فعل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح الفاظ میں روک دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا کہ جسے کوئی روح ہے اور تمہارا عزل اس وقت بے فائدہ ثابت ہوگا جب تک اسے کوئی روح نہیں ہوگا اور جس کا روکنا بھی ضروری ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم واضح الفاظ میں منع فرما دیتے۔

عزل کئی اعتبار سے بے فائدہ ہوتا تو پھر اس وظیفہ جنسی سے بھی روک دیا جاتا جس سے اولاد کے نہ ہونے کا یقین ہوتا کیونکہ یہ تکلیف بالایطاق کسی کے بس کی بات نہیں ہے اولاد نہ ہونے کے یقین کے باوجود وظیفہ زوجیت ادا کرنے اور عزل کرنے میں فرق ہی کیا ہے۔ جس طریقے پر عزل کو ناجائز قرار دیا جائے گا اسی طریقے پر وہ تمام وظائف زوجیت بھی ناجائز ٹھہریں گے جن سے اولاد نہ ہونے کا یقین ہوتا ہے حدیث کے یہ الفاظ ”آئے والی روح تو آکر ہی رہے گی“ درست ہے یہ ایک ایسی ابدی حقیقت ہے کہ جیسے یہ کہا جائے کہ نہ آنے والی روح کبھی نہیں آسکتی تو پھر کیا اس کا یہ مطلب مراویا جاسکتا ہے کہ وظیفہ زوجیت ادا کرنا بے معنی و بے فائدہ ہے کیونکہ جو روح آگیا ہی نہیں ہے تو وہ آئی نہیں سکتی بائیں دونوں ہی اپنی جگہ مسلم ہیں۔

آنے والی روح آکر رہے گی

اور نہ آنے والی روح نہ آکر رہے گی

یہ معاملہ تقدیر کا ہے اور خلدانی منصوبہ بندی کا تعلق تدبیر سے ہے انسان کا کام تدبیر کرنا ہے کوشش کرنا ہے آگے اسے نتیجے تک پہنچانا رب العالمین کا کام ہے اور اسی کا نام توکل ہے۔ آنے والی روح آکر رہے گی نہ آنے والی کبھی نہیں آسکتی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ احتیاطی تدبیر و کوشش نہ کریں۔ اگر کوشش کرنا اور تدبیر کرنا اللہ رب العزت کے نظام الوہیت میں دخل دیتا ہے تو مرنے والے نے تو مرنا ہی ہوتا ہے اور جینے والے نے جینا ہی ہوتا ہے تو پھر ہم بیماری کے لئے علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور علاج پر ہزاروں روپے کیوں خرچ کرتے ہیں؟ جب معلوم ہے کہ یہ بیماری موت کا سبب بننے والی ہے تو پھر عقل رکھنے کے باوجود درد کی ٹھوکریں کیوں کھاتے ہیں؟ کیوں علاج کرتے ہیں؟ اور نہ مرنے والے نے نہ مرنا ہے تو پھر صحت و تندرستی کے لئے کیوں احتیاطی تدابیر کرتے ہیں؟ خوراک کے لئے کیوں کوشش کرتے ہیں؟

اگر ان امور میں احتیاطی تدابیر کر لی جاتی ہیں اور کرنی بھی چاہئیں۔ نہ کرنے والا اپنے اوپر زیادتی کا مرتکب ہو گا پس خلدانی منصوبہ بندی بھی ایک کوشش و تدبیر ہے جو السانی ہے جس میں کئی طور پر حسبِ منشاء نتائج و ثمرات کا لکھنا اور نہ لکھنا

ضروری نہیں۔ انسان کا کام فقط تدبیر کر کے اللہ رب العزت کی ذات پر توکل کرنا ہے۔  
باقی اس کی جائز اور ناجائز صورتوں کیلئے میری کتاب قاترانی مضمونہ ہندی اور ٹٹ ٹرب  
کی مشرکی حیثیت ملاحظہ فرمائیے۔

### غلبہ اسلام اور ظہور ممدی علیہ السلام کا صحیح تصور

ہماری اجتماعی اور انفرادی حالت زار یہ ہے کہ جب بھی کسی ترقی اور امرِ مہم کو  
سر کرنے کا وقت آتا ہے تو ہم یہ کہہ کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں کہ اب ظہورِ امام ممدی  
علیہ السلام سے پہلے مسلمانوں کا ابھرنائی محال ہے۔ تدبیر کیا چیز ہے اصل تقدیر ہے۔  
جب ہمارا مقدر ہی خراب ہے تو بھلا پھر وہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے؟

یہ تو بجا ہے کہ ظہورِ ممدی علیہ السلام کے وقت اسلام کو عالمگیر رفعت و برتری  
حاصل ہوگی۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ ظہورِ امام ممدی علیہ السلام سے پہلے مسلمان اپنے  
قوائے فکر و عمل کو معطل کر کے بیٹھ جائیں۔ اور مایوسی کا شکار ہو کر اپنے ابھرنے  
کی کوشش ہی نہ کریں قرآن حکیم نے ایسے ہی غلط عقیدہ رکھنے والوں کو بیاہنگ دہل یہ  
نصیحت فرمائی ہے:

لَا تَسِيئُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ اِنَّهٗ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ۔

”اللہ کی رحمت سے کسی مرحلہ پر مایوس نہ ہوں کہ مایوسی کفر ہے جو لوگ ایمان بالعمل و  
ایمان بالنتائج نہیں رکھتے فی الحقیقت وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے ناامید رہتے ہیں۔“

کوشش اور جدوجہد کرتے رہنا مسلمانوں پر ہر دور میں فرض ہے اور قربِ  
قیامت کی جو علامات بیان کی گئی ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کے اندر غلط رجحان  
نے جنم لیا ہے کہ فحاشی و عریانی کا پھیلنا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ لہذا اپنے  
آپ کی اصلاح منشا شریعت کے سراسر منافی ہے۔ قربِ قیامت کے بارے میں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت اور میرے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسے دو  
انگلیوں میں یہ فرما کر ختم نبوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ میرے بعد قیامت تک کوئی  
نبی نہیں آئے گا۔

اسی طرح ۳ فرقوں کا ہونا بھی قیامت کی علامات میں سے ہے تو کیا پھر  
وحدتِ اسلامی کا کام نہیں کرنا چاہیے؟

قیامت کی علامات میں سے فحاشی و عریانی کی کثرت بھی ہے ان سب احادیث  
السان سے اختیار کی قوت سلب کرنا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود تھا۔  
الاجتہاد کو اختیار کرتے رہنا، فرقہ پرستی سے بچتے رہنا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت کو کسی طریقے سے بھی کم نہیں کیا جا  
سکتا۔ حق کا کام غلبہ حق کی بحالی کے لئے کوشش کرتے رہنا ہے۔ ظاہری نتائج کی  
بھی ہو سکتی ہے اور اہل حق کو نصیب ہوتی رہی ہے۔ ماضی کی تاریخ اس حقیقت  
پر ہے۔

ظاہری نتائج جن کو فلسفہ نتیجہ خیزی کا نام دیا جاتا ہے یہ تب ممکن ہے جب امت  
اجتماعی سطح پر غلبہ حق کی بحالی کے لئے متحد ہو کر کوشش کرے گی تو منزل و  
مسابی قدم چومنے کے لئے تیار ہوگی اس کے لئے متحد ہو کر کوشش کرنا شرط ہے۔

فلسفہ نتیجہ خیزی کا عقل و شعور پر غالب آجانا بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس  
مذہب کی بنیاد بعض اوقات مادہ پرستانہ بھی ہو جاتی ہے لہذا ہم سب کو غلبہ حق کی بحالی کے  
لئے سرگرم ہو کر کوشش و سعی کرتے رہنا چاہیے اور ظاہری نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ کے  
شور عرض کرنا چاہیے کیونکہ یہی غالب حکمت والا ہے۔

باقی حضرت امام ممدی علیہ السلام کا ظہور فی الواقعہ ہوتا ہے۔ اس پر امت  
مسلمہ کا اتفاق ہے یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے لیکن وقت کا تقرر کرنا غلط ہے یہ سب کچھ  
مخفی راز ہے۔ ہم سب کو ظہور اور آمد کا عقیدہ رکھنا چاہیے اور غلبہ حق کی بحالی کے  
لئے ڈٹ کر اور متحد ہو کر کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

ظہورِ ممدی علیہ السلام کی وجہ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت کو  
کسی طریقے پر کم سمجھنا یا کرنا حماقت و ضلالت ہے۔

### عروج و زوال کی حقیقت

سوال: عروج و زوال کی اصل حقیقت کیا ہے؟ وضاحت کیجئے۔

جواب: دنیا کے حالات سدا یکساں اور ایک جیسے نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد  
فرمایا:

وتلك الايام ندا ولها بين الناس

"ہم دنوں کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔"

حالات کا بدلتے رہنا انسانی Nature ہے۔ کبھی غریب انسان امیر ہو جاتا ہے تو کبھی امیر آدمی بکڑے بکڑے کا محتاج ہو جاتا ہے۔ کوئی آن کی آن میں غریب نہ بن سکتا ہے تو کوئی دلت و رسوائی کے گھروں سے اکل کر عظمت و کرامت کی مسدود جانتھتا ہے۔ غرض اس طرح دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے کسی چیز کو سکون و قرار حاصل نہیں دیتا ایک ذہنی چھاؤں ہے جو کبھی کسی کے پاس ہے اور کبھی کسی کے پاس عزت و دہشت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اللهم مالك الملك توتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتغير من تشاء وتزل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير - تولى في الليل وتولى النهار في الليل وتخرج الحي من الميت وتخرج الميت من الحي

"اے پروردگار عالم! تو ہر چیز کا مالک ہے جسے چاہے حکومت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ سب خیر میرے ہی ہاتھ میں ہے تو ہر چیز پر قادر ہے تو رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں بدل دیتا ہے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔"

یہ سب تغیرات اور تبدیلیاں اللہ تعالیٰ کی غائب حکمت اور قدرت کی کار فرمائی پر ولایت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نظام کائنات کو سنبھالنے والا ہے وہ کسی کو ایک حاکم پر نہیں رہنے دیتا۔

مولائے کائنات علی المرتضیٰ فرماتے ہیں :

عرفت ربي بفسخ العزائم

"میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے ہی پایا ہے۔"

میں ارادہ کچھ کرتا ہوں لیکن ہوتا کچھ ہے۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ ارادوں کو بدلنے والی بھی کوئی طاقت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ارادوں کو بدلتا ہے اسی طرح کائنات نامور مخلوقات کے حالات کو بھی بدلتا ہے۔

گرمی کے بعد سردی اور سردی کے بعد گرمی، خزاں کے بعد بہار اور بہار کے بعد

خزاں، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن یہ قانون قدرت ہے۔

عروج و زوال کے پس منظر کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ عروج جہاں اللہ کی نعمت عظمیٰ ہے وہیں پر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر زوال بھی نعمت ہے۔ نیک ستمی، پرہیزگار بندوں کے لئے زوال ابتلاء و آزمائش ہوا کرتا ہے تاکہ دیکھا جاسکے کہ بے بندے کیسے ہر حال میں خوش رہتے ہیں کیونکہ ترقی کے دور میں تو ہر آدمی خوش رہتا ہی رہتا ہے لیکن تیزی و زوال کے دور میں کم ہی لوگ بکھر گزار ہوا کرتے ہیں۔

جب ساری دنیا گیت گاتی ہو، قصیدہ خواں ہو، بڑے بڑے پروڈکٹ دیئے جائیں تو اس وقت کو عروج کہہ سکتے ہیں۔ اور جب ساری دنیا مخالفت پر اتر آئے تو یہ مخالفتیں و مراہمتیں ظاہری نتائج میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ لہذا جہاں دین کی مخالفت کرنے والے ظلمت و تاریکی کے انتہا سمندر کی گہرائیوں میں گرتے ہیں تو وہاں پر اہل حق کی بھی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ مضبوط و مستحکم رہیں۔ حق پر گامزن رہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے :

الاستقامة فوق الكرامة - "استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔"

اہل حق کے لئے زوال یعنی ظاہری نتائج کا حسبِ خواہش سامنے نہ آنا آزمائش و ابتلاء ہے۔ ظاہری کامیابی جسے فلسفہ نتیجہ خیزی کہا جاتا ہے یہ اندازِ فکر غلط ہے۔ ظاہری نتائج کو عروج کا نام دیا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی کیونکہ اہل حق کو شریعت نے صالح عمل پر مکلف ٹھہرایا ہے ظاہری نتائج پر نہیں۔ اہل حق کا کام کوشش کرنا ہے ظاہری نتائج کا سامنے آنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کوشش و سعی کا دنیا میں نتیجہ ضرور عطا کرتا ہے۔ لیکن اس فکر کو نابوسیت کا نام دینا انتہائی غلط ہے۔

جو اس فکر کو نابوسیت کا نام دیتے ہیں وہ اپنے آپ کا حامیہ کریں کہ اب بیماری فکر کا کیا ہونا۔

## اراد و تاثرات

عالم با عمل حضرت العلامہ مولانا حافظ عبدالحکیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ  
مستقیم و قائم اعلیٰ جامعہ انوار الاسلام غوثیہ رضویہ محلہ لائن پارک چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم! امام  
عزیز محمد عمر حیات الحسینی سلمہ بڑے باصلاحیت نوجوان ہیں۔ ان کی  
تصانیف منصف مشہور پر آپکی ہیں اور صاحبانِ علم و فکر سے خراج تحسین حاصل کر چکی  
۔ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت زبان و بیان، تحریر و تقریر کی خوبیوں سے نوازا ہے۔  
مذاہبی، تمساز اور اخلاق و محبت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ علمی و تحقیقی دگرگزی  
سے خدمتِ دین متین کر رہے ہیں۔

عارف روی کا یہ مصرعہ آپ کی جملہ خدمات کا آئینہ دار ہے۔

کار مرداں روشنی و گرمی است

کتاب ہدا

”السان اور مسئلہ تقدیر“ کا مسودہ بعض مقامات سے دیکھا موضوع اپنی پیچیدگی  
کے اعتبار سے منفرد ہونے کے باوجود محترم حسینی صاحب نے نہایت خوش اسلوبی، عقلی  
و فنی دلائل و براہین سے اہل سنت کے اجتماعی عقیدہ ”الامرین الامرین“ کو واضح فرمایا  
ہے۔ انداز استدلال متحفظ ہے۔ موضوع پیچیدہ ہونے کے باوجود نہایت آسان  
گیا ہے۔ اگر اسے قارئین غور و فکر سے پڑھ لیں تو مزید اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں  
ہے۔

اس موضوع پر ”کتاب ہدا“ کے دلائل و شواہد اور مباحث سے بحث کرنا  
کچھ کمنا افراط و تفریط ہو گا لہذا بین القدر و الجبر اجتماعی عقیدہ ہے۔ تقدیر کا مسئلہ  
الہی ہے جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے موضوع بحث بنانے سے  
فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق  
فرمائے آمین

عزیز محمد عمر حیات الحسینی سلمہ کو مزید خدمتِ دین نصیب فرمائے آمین اور  
تحریر نافع تخلیق ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف کے لئے ذخیرہ حسنت و نجات ہو۔

بحرمت سید المرسلین

والسلام عاجز

عبدالحکیم نقشبندی غفرلہ

۹۴ - ۳ - ۷

مہتمم و ناظم اعلیٰ جامعہ انوار الاسلام  
چکوال

فاضل اجل خطیب اہلسنت حضرت العلامہ مولانا حافظ محمد ایاز احمد

صاحب چشتی

جامعہ اسلامیہ خیر المعاد قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق کل شیء بقدر و الصلوۃ علی نبیہ الانور الذی ارسل الی  
الناس بالہدی و دین الحق الاظہر و علی وآلہ وصحبہ اجمعین۔

امام بعد

تخلیق کائنات کی تخلیق کا عظیم شاہکار انسان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے علم  
و فن، فہم و فراست اور قدرتِ مدبر کہ کی خلعتِ فاترہ سے نوازا ہے۔ اور اس  
کائنات میں تدبیر و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسئلہ تقدیر ایمانیات کے باب میں  
اہم ترین ہونے کے باوجود راز الہی ہے۔

اور ایک معہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن بحث و مباحثہ  
کرنے کی علت ممانعت کی گئی ہے۔

کیونکہ بحث مباحثہ کا نتیجہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہوتا ہے اس وجہ  
سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ پر جھگڑا کرنے سے منع  
فرمادیا۔



اس مسئلہ کی نسبت جہانے عوام میں عجیب و غریب شکوک و شبہات پھیلارکے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں۔

برادر معظم علامہ محمد عمر حیات الحسنی صاحب زید مجدد نے شب و روز کی محنت شافہ اور جانفشانی سے مذکورہ مسئلہ سے متعلق نہایت حسن ترتیب کے ساتھ علمی، فکری، تحقیقی مواد جمع فرمایا ہے۔

میں نے انسانی زندگی میں قضاء و کردار کا کردار اور مسلک اعتدال کا مسودہ اکثر مقام سے بغور مطالعہ کیا ہے۔ جو اپنے موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔ قارئین پڑھنے کے بعد ہی اس کی جامعیت کے متعلق کچھ کہہ سکیں گے۔ کہ کس قدر ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ اور ممکنہ حد ثبات و اشکالات کو رفع کیا گیا ہے۔ خیر و شر کی تخلیق معجانب اللہ ہے اور تخلیق مجبوری کا نام نہیں ہے۔

فاضل محترم جناب علامہ حسینی صاحب نے نہایت علمی و تحقیقی انداز میں افراط و تفریط سے ہٹ کر مسلک اہلسنت کے مطابق تمام ادبام و سادس کی توضیح کی ہے جو کہ صاحبان علم کے لئے بالخصوص اور عوام الناس کے لئے بالعموم قابل قدر علمی و تحقیقی ذخیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فاضل محترم کو نوجوانی میں پیشہار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائیں۔ آمین اور ہم سب کو دین متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بصدقہ آقائے مآب دار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مقاصد عظیم کو جلد از جلد کامیاب فرمائے۔ آمین۔ اور یہ تحریر ہم سب کے لئے نافع و اخروی نجات کا سبب ہو آمین ثم آمین۔

وَعَاو

خادم العلماء و اطباء

حافظ ایاز احمد چشتی غفرلہ

۲۱/۱۲/۹۳

خطیب لائٹانی حضرت علامہ مولانا ریاض حسین جعفری صاحب  
ڈائریکٹر ادارہ منہاج الصالحین ٹھوکر نیازیگ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی بھی زمانہ میں تحقیق کے دروازے بند نہیں ہوتے تمام فنون کے علماء نے اپنے اپنے فن میں بحث و تحقیق کی ہے اور اپنے اپنے اختلافی نوٹ لکھے ہیں اور اختلاف امت کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت فرمایا تھا تو انی علماء نے کلام و فلسفہ کے درمیان بھی مسئلہ قضاء و قدر کے موضوع پر اختلاف رہا ہے۔ تقدیر مشکل اور لا تغیر موضوع ہے اس اہم موضوع پر قدیم جہرہ معتزلہ وغیرہ جادہ سے تدریسی کی انتہاء گہرائیوں میں بھٹکے ان کے باطل عقائد و نظریات سے مسلمانوں درمیان بھی شکوک و شبہات نے جنم لیا جن کا بر دور میں علماء کرام نے قرآن و حدیث روشنی میں جواب دیئے ہیں اور بحسنی بولی حقوق خدا و صراط مستقیم دکھاتے رہے (ہذا السبیل اما شا کر و اما کفورا) مسئلہ قضاء و قدر ایک اہم موضوع ہے جسکی مثال پلے کی ہے جس کے دونوں اطراف درود تفریط سے ملتی ہیں۔

مولانا مفتیان حضرت سی فرماتے ہیں الامین الامرین "کہ معتمد در مومن در میان ہے جیسا کہ آپ نے ایک سائل کے جواب میں ایک ٹانگہ انحصار کا حکم دیا پھر آپ نے دوسری ٹانگہ انحصار کا حکم دیا تو وہ عرض کرنے لگا مولانا کیا یہ ممکن ہے؟ تو نے فرمایا پہلی ٹانگہ کا انحصار اختیاری ہے اور دوسری کا جہری ہے لہذا اس مسئلہ میں محتاط رہنا ضروری ہے ورنہ انسان ایمان و عمل سے ہاتھ دھو شیشٹا ہے

اس علم کی طرف قرآن حکیم نے بڑی بلاغت سے وضاحت فرمائی ہے صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو اس بات میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی  
برادر معظم علامہ محمد عمر حیات الحسنی سلمہ نے مسئلہ تقدیر و قدریت اسلوبی سے قرآن و حدیث کی روشنی میں سپرد قسط کیا ہے

الحمد للہ ہمارے برادر سے درینہ تعلقات ہیں آپ نہایت ہی محنتی و عاشق اسلام کے سپاہی ہیں آپ اسلام کی سربلندی کے لیے اسلام کے مورچہ کو مضبوط بناتے ہوئے ہیں آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں آپ کے دل و جان میں محبت



تحت چلتی رہتی ہے انشاء اللہ برادر محسن صاحب کی اخلاص امت کی جلتی ہوئی قندیل سے  
دنیا انسانیت روشن ہوگی در بھٹکی ہوئی قوم اپنی منزل پائے گی میری بارگاہ رب العزت میں  
ہے کہ برادر محسن صاحب کے قلم میں بطفیل محمد و آل محمد زیادہ سے زیادہ زور عطا

کئے آمین محمد نے در قوس      ڈائریکٹر ادارہ مناجات الصالحین پاکستان  
ریاض حسین جعفری      20 بی بلاک نواب ٹاؤن ٹھوکر نیا بیگ لاہور

حضرت مولینا عبدالستار سمائی صاحب

مدرس مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

محترمی و مکرمی محسن صاحب در مسئلہ تقدیر این رسالہ را بہ نہایت عرق ریزی و  
تذہنی نویشتہ اند کہ در معیار خود زیادہ و مانع میباشد کہ گویا این فشرده مطولات میباشد کہ  
عام و خاص فائدہ جابج وارو کہ بہ آسانی از شک و شبہات خود را نجات دہ میتواند چرا کہ  
تقدیر یک مسئلہ پیچیدہ است کہ اکثر مردم در وادی این گمراہ شدند از قبیل جبریت و  
محتزلہ و اضلال ایشان از این جهت بتغییر از بحث و گفتگوی این مسئلہ منع فرمودہ بود  
ش و گفتگوی ما اصل سفت و الجماعت در مقابل اضلال گروہ ضالہ میباشد تا اینکه حقیقت  
و افکار تقدیر و صفات باری تعالی لازم نیاید و این جائز بلکہ واجب است لہذا برادر مح  
صاحب در فرست خادمین این مسئولیت بہ شمارد میروند خداوند کریم و رحیم در علم و  
محسن صاحب برکت زیادہ عطا فرماید آمین ثم آمین یا رب العالمین - و بحرمت سید

عبدالستار سمائی

مدرس مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور

1/4/94

# مختصر حیات الحسینی

کی

## دیگر اہم تصانیف و تالیفات

- |     |                                       |     |  |     |                          |
|-----|---------------------------------------|-----|--|-----|--------------------------|
| ۱۰۱ | مختصر قرنی کے اصول و مبادی            | ۱۰۲ | اسلام کا نظام معیشت                      | ۱۰۳ | قیاس و اجتہاد پر ایک نظر |
| ۱۰۲ | قرآن حکیم کا جوہر اور خلاصہ           | ۱۰۳ | جدید معاشی مسائل و مسائل کا اسلامی حل    | ۱۰۴ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۳ | قرآن اور انسان                        | ۱۰۴ | تاریخ اہل بیت (ع) و نزول کے نسخہ         | ۱۰۵ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۴ | قرآن اور معاش                         | ۱۰۵ | اسلامی تحریکوں پر ایک نظر                | ۱۰۶ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۵ | مذہب کا کائنات                        | ۱۰۶ | تحریک تبلیغ اہل بیت (ع) و نزول کے نسخہ   | ۱۰۷ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۶ | شرح تصانیف اہل بیت (ع) و نزول کے نسخہ | ۱۰۷ | حسن النوازل شرح العقائد                  | ۱۰۸ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۷ | اصول فقہی و اسلامی اصول فقہی          | ۱۰۸ | اسلام کا نظام تعلیم و تربیت              | ۱۰۹ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۸ | اصول فقہی و اسلامی اصول فقہی          | ۱۰۹ | اسلام کا نظام و تربیت و تبلیغ            | ۱۱۰ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۰۹ | فائدہ فی تصور بدی و تربیت شریعہ       | ۱۱۰ | نظمی اخلاقیات کی اہل حقیقت               | ۱۱۱ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۰ | عہد کی شرعی حیثیت                     | ۱۱۱ | مسئلہ اخلاقی مسائل کی حقیقت              | ۱۱۲ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۱ | عہد کی شرعی حیثیت                     | ۱۱۲ | شیعہ مثنوی اخلاقیات کا خانہ کبریا        | ۱۱۳ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۲ | انسان اور مسئلہ تقدیر                 | ۱۱۳ | جدید و قدیم علوم کا ایک ہی بطل اور اسلام | ۱۱۴ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۳ | میرزا گل تھری کی اسلامی تشکیل         | ۱۱۴ | اسلام کا قانون قصاص و دیت                | ۱۱۵ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۴ | کیا اب اسلام کی ضرورت نہیں رہی؟       | ۱۱۵ | احکام اسلامی عقل کی نظر میں              | ۱۱۶ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۵ | اسلام کا نظام قانون                   | ۱۱۶ | مقام حدیث اور دیگر حدیث کے               | ۱۱۷ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۶ | اسلام کا نظام علاق                    | ۱۱۷ | انکار کے اسباب و محرکات                  | ۱۱۸ | آئینہ خورشید کی شہادت    |
| ۱۱۷ | اسلام کا نظام سیاست                   | ۱۱۸ | تقلید کی شرعی حیثیت                      | ۱۱۹ | آئینہ خورشید کی شہادت    |

- مثنوی کتاب گھر جو کہ حدیث گھر ● یہاں جس کتاب کی کٹنگ مثنوی ● کاظمی کتب خانہ ● حاجی غلام نبی خٹک کتب خانہ ● حاجی شمس الدین کتب خانہ ● حاجی نیاز کتب خانہ ● امام دین پور کتب خانہ ● فاروقی کتب خانہ ● مجیدیہ کتب خانہ ● تالیفات شریف ● بیرون پور کتب خانہ ● مکتبہ رضوان ● مکتبہ ضیاء القرآن ● مکتبہ انور ● نور کتب خانہ ● فیض روڈ لاہور ● اسلام آباد کتب خانہ ● باؤس روڈ لاہور ● آستانہ عالیہ کاظمیہ ● سرورہ محمد پورہ شیخ پورہ ● آستانہ عالیہ کاظمیہ ● سرورہ محمد پورہ شیخ پورہ ● مرکز القادریہ بستی بوسن آباد ملتان

مثنوی  
کاظمی  
پتہ